أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ

کیا ہم تھک گئے پہلی بار بنا کر، کوئی نہیں ان کو دھوکہ ہے اٹھنے میں

حقیقت التناسخ

مؤلفہ

محمد عبد الوہاب ابن محمد عبد العلی ناظمی مدراسی

(باہتمام نظام الدین حسین پرنٹر)

مطبوعہ نظامی پریس بدایون

یہ کتاب [illegible] کی اشاعت ہوئی ہے [illegible] کتابوں کی ضرورت ہو تو پتہ ذیل سے طلب کی جا سکتی ہیں

[illegible] ملک پیٹھ حیدرآباد دکن۔

معذرت منجانب مولف

قبل ازانکہ کتاب ملاحظہ فرمائی جائے اغلاط کی صحت فرما لی جائے۔

اردو پریس کی حالت قابل اطمینان نہیں ہے ہرچند میں نے کوشش کی کہ غلطی نہ ہو مگر افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ غلطیوں کی کوئی حد نہیں۔ مگر میں نے ضروری غلطیوں کی اصلاح کردی ہے۔ اگر کل غلطیوں کی فہرست بنائی جائے تو بہت طویل ہوتی ہے۔ اس لئے مختصر فہرست پر اکتفا کیا گیا عربی عبارت کی غلطیوں کو میں نے اس خیال سے نظر انداز کردیا ہے کہ اس کی صحت کلام اللہ کے مقابلہ سے کرلی جاسکتی ہے۔ فقط

محمد عبدالوہاب

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۹	سائنس کی	سائنس کی ترقی	۷	۱۸	بلغی	بلغنی
۲	۵	پایا	اٹا	۷	۱۹	عن عبیدۃ	عن ابی عبیدۃ
۳	۱۷	خلقت	صفت	۷	۲۰	عنہ	عنہ
۴	۸	وہ کیسا	وہ واقعہ کیسا	۷	۲۱	ابی اسعود	ابی السعود
۵	۲۰	انھین	اس میں	۱۰	۱۷	فنا ہوتے	فنا نہ ہوتے
۷	۱۳	ہوگا	ہوگاشہ	۱۱	۹	رہ	وہ
۷	۱۴	ہوگی	ہوگی؟شہ	۱۲	۱۸	نامعقول	نامعقول باتیں
۷	۱۵	ہوگی	ہوگی نلے	۱۲	۲۳	چلایا جائے	جلایا جائے
۷	۱۵	نئی کھلڑی	نئی نئی کھلڑی	۱۵	۵	نتیجہ کیا نکلا؟	نتیجہ کیا نکلا؟ کچھ نہیں
۷	۱۶	امثال العواطیس	امثال القراطیس	۲۲	۱۰	ملائی	ملاپی
۷	۱۷	عن المغنی	عن المثنیٰ	۲۲	۱۲	بھٹکا رہیگا	بھٹکا رہا
۷	۱۸	عن المغنی	عن المثنیٰ	۲۲	۲۱	اس کی	اسی کی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴۶	۲	بلکہ	ملکہ	۶۲	۱	دوڑتے	دوڑاتے
۲۶	۳	قنام قلب	مقام قلب	۶۴	۲۳	ہلکارنے والا	للکارنے والا
۲۹	۲۱	جائے	جائیں	۶۷	۱۴	یہان	یہان تک
۳۱	۱۷	آیت نشان ہیں	آیت نشان سے ہیں	۶۷	۱۷	پیچھے تیز اٹھاؤ	پیچھے اٹکا رہے
۳۲	۱۵	نہو	بنو	۶۷	۲۲	اور اگر پیچھے	اور اگر پھر پیچھے
۴۴	۲۴	جلد صفحہ ۳۵ و ۳۶	جلد صفحہ ۳۰۵ و ۳۰۶	۶۹	۱	زیادہ	زیادہ تر قریب
۴۵	۲۱	رکھتے ہوئے	رکھتے تھے	۶۹	۸	کیا جہان تک آیا ہے	کیا جہان تک آگیا ہے
۴۶	۱	نے قالینوں سے	زمین قطع لینوں سے	۶۹	۱۱	لینا	لمبا
۴۶	۷	بیموکے حصون	یموکے چیتون	۷۰	۱۵	دائمی	•
۴۸	۴	تو چیز	توجو چیز	۷۱	۱	ابث	امت
۴۹	۱۱	دیتاہے	•	۷۳	۱۹	فرانسیسیوں	فریسیون
۴۹	۲۰	بعض کو برتری	بعض کو بعض پر برتری	۷۴	۲۰	اپی اپی	اپنی اپنی
۴۹	۲۰	توجن کی	توجن کو	۷۵	۲۲	دی انکارس	ری انکارنیشن
۵۰	۲	جبر و تعد	جبر و قدر	۷۶	۹	دیدیا تھا	دیدیا ہے
۵۱	۱۹	بیموقع ہوگا	بے موقع نہوگا	۷۷	۱	بعض الانتقدمین	بعض الاسلامین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۷	۱۳	امام شعبی رح	امام ثعلبی رح	۹۸	۱۰	ماشاء اللہ تھی	ماشاء اللہ کی
۷۷	۱۶	بیمانہ	پیمانہ	۹۸	۱۵	کہ رسنرا ہوتی ہے	کہ رسنرا ہوگی
۷۸	۲	اکثرہا	اکثرتا	۹۹	۱۰	تشکرہ	•
۷۸	۳	مقربیت	متقربیت	۱۰۸	۱	بنم	جسم
۷۸	۵	امالیہ	امامیہ	۱۱۱	۱۰ و ۱۱	اس سے	اس زمین سے
۸۰	۱۴	بیدارم	پندارم	۱۱۱	۱۹	پیدایش ہے اثر ہے	پیدایش پر اثر ہے
۸۰	۱۹	بیداری	پنداری	۱۱۱	۲۰ و ۲۱	آیت میں تصدیق	ایک میں تصدیق ہے
۸۱	۱	باتم	یابم	۱۱۲	۲۱	اور ہماری خلاف تحقیقات	حکومت اور اجتہاد کا مادہ سلب کر دیا گیا
۸۱	۴	احضاء	احضار	۱۱۷	۲۴	اور وہ تکلیف	ورنہ وہ تکلیف
۸۱	۸	مرترازین	مرترا این	۱۲۱	۱	اس قسم کا	اسے کسی قسم کا
۸۶	۱	قیدسے	تبرسے	۱۲۲	۹	منسوریم	سنسوریم
۸۶	۱۶	جلد اٹھائے جائینگے	جلا اٹھائے جائینگے	۱۲۴	۷	یوں ہی تھا	یوں ہی بنا
۹۴	۱۰	آپ کا	ان کا	۱۲۶	۲۱ و ۲۲	تو آتا ثابت نہیں	تو از خدا ثابت نہیں
۹۷	۱۶	ان کے	انسان کے	۱۲۸	۱	اثر ہونا	اثر نہ ہونا
۹۸	۶	خیرہ	خیرہ	۱۲۸	۷	قناعت	قیامت
				۱۲۸	۷	بیان کردی ہیں	بیان کردی ہیں اور تناسخ کی بھی تعریف اور فوائد بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تحمد و نصلی

مثنوی اسرار تناسخ مولفہ مولوی محب حسین المتخلص بہ محب سنہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی۔ اس کے شائع ہو جانے کے بعد مضامین مذکور کے متعلق لوگوں کے خیالات کا جو اندازہ معلوم ہوا اس سے پتہ چلا کہ معاملہ قیامت کے نسبت اہل اسلام کے خیالات مختلف ہیں اور مثنوی مذکور میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اور بس مجمل ہے۔ لہٰذا میرے چند معزز احباب نے مجھ کو اس امر پر مجبور کیا کہ اس بیان کو کسی قدر واضح کر کے شائع کروں تاکہ اس مضمون پر جو اسلام میں ایک معرکۃ الآرائی حیثیت رکھتا ہے روشنی پڑے اور اہلِ اسلام اس مضمون پر غور کر کے اس معاملہ کو اپنی اصلاح حال کا ذریعہ بنائیں۔

اکثر مسلمانوں کی جیسی کچھ دینی و دنیوی حالت ہے وہ مخفی نہیں ہے۔ نہ تو علم دین سے ان کو دلچسپی ہے نہ علم دنیا سے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دین بھی برباد اور دنیا کی ذلت و مصیبت میں مبتلا ہیں اس کی زیادہ تر ذمہ داری ان کے والدین پر ہے۔ جہاں بچے میں ذرا شعور پیدا ہوا اس کو انگریزی مدرسہ میں بھیجا۔ یا۔ نہ تو اس کو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اور نہ اسلامی آداب و اخلاق کی تفہیم۔ اب جبکہ وہ مدرسہ کی معقولی تعلیم حاصل کرتے ہیں تو مذہب کی تعلیم جس کی بنیاد محض اعتقاد پر ہے اُن کی سمجھ میں نہیں آتی اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ اقلیدس کی شکل کے مطابق مذہب کی تفہیم ہو۔ ان کے سرپرست خود اس طریق سے نابلد وہ کیا ان کی تفہیم کر سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکا جو مدرسہ میں تعلیم مغربی حاصل کر کے نکلا ہے مردود ٹھہرایا جاتا ہے۔ یا جبریہ اعتقاد پر مجبور کیا جاتا ہے اس کا جو کچھ نتیجہ ہوتا ہے اس کے اظہار کی مجھ کو ضرورت نہیں۔

دنیا کے مذاہب پر غور کیا جائے تو یہ امر پورے طور پر ثابت ہے کہ تمام مذاہب کا اصل جوہر مذہب اسلام ہے اور یہی دین القیم ہے جو ابتدائے آفرینش سے قائم رہا اور قیامت تک قائم رہیگا سمجھیں کہ وقتاً فوقتاً کفر و شرک سے پاک کرنے کے لیے دنیا کے ہر حصہ میں ہر قوم کے لیے انبیا مبعوث

ہوتے رہتے ہیں۔ بالآخر جناب رسالت مآب ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا پاک و صاف کر دیا کہ اس کی توحید میں پھر کبھی کوئی فرق نہیں آ سکتا اور اسی دین متین نے تمام نقائص کو دور کر کے ان کو فطرت کے مطابق کر دیا۔ اسی کی نسبت خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا (۳۰:۳۰) یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے جس پر خدا نے لوگوں کو پیدا کیا ہے

باوجود اس کے اگر اس کی تعلیم میں ایسے ہی نقائص نظر آئیں جیسے کہ تمام ادیان میں مختلف وجوہ کی بنا پر عائد ہوتے تھے جن کے دور کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبر مبعوث ہوتے رہتے تو پھر دین اسلام کی خصوصیت قابل لحاظ نہیں رہ سکتی۔

مغربی علوم نے دماغی قابلیت کو بہت جلا دیا ہے اور روز بروز سائنس کی اور صنعتوں کی ترقی نے دنیا کے مذہبی خیالات کا تار و پود بکھیر دیا ہے اور جدید تعلیم کی برکتوں کی بدولت انسان اپنی سمجھ میں ایک ہزار برس قبل کے لوگوں سے مطابقت رکھنے میں نہایت دشوار ہے۔ اگر زمانے کے خیالات کے مطابق ہمارے خیالات ہوں تو ممکن ہے ہم بھی کچھ ترقی کر سکیں۔ ہماری موجودہ مذہبی تعلیم کا جدید سائنس کے مقابل ٹھہرنا بہت دشوار ہو گیا ہے اور متمدن اقوام یورپ و امریکہ کا خیال ہے کہ اسلام میں وہ وسعت باقی نہیں جو دنیا کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے وہ اسلام کو قابل لحاظ نہیں قرار دیتے۔ یہ سقم ہمارے علما کی اس بے اعتنائی کی بدولت ہے جو ان کو دنیوی علوم سے ہے اگر دینی علوم کے ساتھ ساتھ وہ دنیوی علوم پر توجہ کرتے تو ان کو موجودہ نقائص کا پتہ چلتا۔ مگر وہ اپنے علوم پر ایسے ہی قانع و صابر ہیں اگر بعض علما میں کچھ حسن ترقی پیدا ہوئی ہے وہ ایسی جیسے سراب۔ اس سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ جب تک کہ دنیوی علوم کے پورے ماہر ہو کر دینی علوم کے مجتہد نہ ہوں گے ان قدیم خیالات کا استیصال غیر ممکن ہے۔

دنیا کے علوم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کو انگریزی زبان میں تھیوری کہتے ہیں جس کے معنی قیاس نظری کے ہیں۔ نظری اس وجہ سے ہے کہ اس قیاس کے دلائل ابھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچے۔ اس کی متعلق آئندہ بہت کچھ مباحثے ہو سکتے ہیں اور زمانہ کا تجربہ اس پر بہت کچھ روشنی ڈال سکتا ہے اور دوسرا سائنس اس علم کو کہتے ہیں جس کے دلائل ناقابل تردید ہیں۔ گویا وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا۔ مسلمانوں نے ان ہر دو

امور کو غلط ملط کر کے اپنی یہ رائے قائم کرلی ہو کہ مغربی تعلیم کے خیالات ہمیشہ متزلزل ہوتے ہیں۔ آج کچھ رائے قائم ہوتی ہو اور کل اُس کی تردید ہو جاتی ہو جو ہمارے خیالات ہیں وہی صحیح ہیں۔ بس یہی خیال ترقی کے سب مدارج کا تباہ کرنے والا ہو۔ حالانکہ سائینس علم یقینی و قطعی کا نام ہو۔ جس وقت اور جس زمانہ میں اس کے اصول کے مطابق عمل کیا جائیگا اس سے وہی نتیجہ برآمد ہوگا جیسا کہ اس وقت دعویٰ کیا جاتا ہو البتہ جس حد تک تحقیق رہی ہو وہ متزلزل حالت ہو۔ اس کے نسبت یہ خیال صحیح مانا جا سکتا ہو۔ سائینس کے متعلق ایسے خیالات کسی طرح صحیح نہیں مانے جا سکتے۔ خصوصاً اُن اصحاب کے جو علم مذکور سے بالکل ناواقف ہیں یہ بڑے غضب کی بات ہو کہ جس علم سے واقفیت نہ ہو اس علم کی نسبت اپنے آرا ایسے اطمینان کے ساتھ ظاہر کیے جائیں گویا کہ اس علم کے پورے ماہر ہیں اور در اصل یہی غلطی ہماری ترقی کی مانع ہو اور اسی قسم کی غلطی کلام اللہ کے معنی کرنے میں بھی برتی گئی ہو اور علوم معقول کی حیثیت بالکل مہمل ٹھیرائی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ علوم اس پایہ کے ہیں کہ اس فن کے راسخ علما ان کی سچائی پر حلف کر سکتے ہیں اور جو اصحاب ان کو بے وقعت ٹھہراتے ہیں اگر وہ ان علوم کو حاصل کریں تو فوراً بلا توقف ان کی سچائی کا اعتراف کریں گے یہی اسباب ہیں جس کی وجہ سے ہمارے علما کی نظریں اپنے نقائص پر نہیں پڑتیں ہم کو کلام اللہ کے معنی میں سائینس اور نیز دوسرے علوم اور معقولیات سے بھی مدد لینی چاہیے اُس وقت کلام اللہ کے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ جس مذہب کی بنیاد فقط اعتقاد پر مبنی ہو ایسا مذہب پائدار نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اہل یورپ اور امریکہ عیسائیت سے بیزار اور عملاً دہریت کو ترقی دیتے ہیں مگر مذہب اسلام ایسا نہیں ہو۔ اس کے جملہ بیانات معقول اور مدلل ہیں۔ کلام اللہ کا دعویٰ ہے کہ ہم نے عالم کا انتظام حکمت سے کیا ہو۔ قدرت کی صفت حکمت ہو۔ اگر حکمت کا لحاظ نہ کیا گیا فقط قدرت پر اس کا حصر ہو تو وہ کارخانہ پائدار اور اس سے کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ آگ کا فعل جلانا ہو۔ اگر آگ کسی وقت جلائے اور کسی وقت نہ جلائے تو پھر سنت اللہ پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے۔ غرض سبب اور مسبب کے درمیان لزوم کا انکار کرنے سے واجبات ضروریہ پر سے اعتبار اٹھ جائیگا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اب اسی ایک واقعہ کو لیجیے جس کا اس آیت میں ذکر ہو۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ تو اُس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے ایک دھواں
يَغْشَى النَّاسَ ۖ هَٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ظاہر ہو سب لوگوں پر چھا جائیگا یہ عذاب دردناک

آسمان پر دھواں چھانے کی تعبیر کس طرح پوری ہوئی۔ اس کو تمام علماء قبول کرتے ہیں کہ اس وقت وقوع ہو چکا۔ خدا کے جتنے کام ہیں وہ فطرت اور سنت کے مطابق ہوتے ہیں اس میں کسی قسم کے عجائبات اور نوادر کو دخل نہیں۔ معاملہ بالکل دوسرے معمولی کاروبار کی حیثیت سے اسباب کے ساتھ عمل میں آتا ہے جب اس کا ظہور ہو چکتا ہے۔ اس کی شان داری ایسی غیر معمولی ہوتی ہے گویا فوق الفطرت ایک فعل وقوع میں آیا۔ آیت بالا کے واقع میں اگر اس کے اسباب نہ معلوم ہوتے تو واقعہ مذکورہ بھی عجائبات و نوادر میں شمار ہو سکتا تھا جب واقعہ مذکورہ کے سب موجود ہیں تو اس پر کسی کی نظر نہیں پڑتی۔ خدا ایسا نادر اور حکیم ہے وہ اپنے کاروبار کے اسباب ظاہر نہیں کرتا اور نہ اس واقعہ کے متعلق ظاہر فرمایا ہے جونکہ یہ ایک نیچی واقعہ ہے اس سے اس کے اسباب کا پتا چلا۔ جب اسباب کا پتہ چلے خواہ وہ کیسا ہی عظیم الشان ہو ایک معمولی حیثیت کا ہو جاتا ہے۔ کلام اللہ نے ایسے ہی کاروبار کو آیات کا نام دیا ہے جس کو علماء نے معجزات[له] فوق الفطرت یا فوق العادت تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی بات فوق الفطرت اور فوق العادت نہیں ہے اور نہ اسباب متروک ہوتے ہیں۔ اسی معاملہ نے ہر ایک معاملہ میں جدت پسندی اور عجائب پرستی کا شوق تمام ادیان میں پیدا کر دیا ہے اور یہی معاملہ ہے جس نے کلام اللہ کی معقولی اور حکیمانہ تعلیم کو محض قدرت کا جامہ پہنا دیا ہے جس کی وجہ سے مسلمان اپنے خیالات پر اڑے ہوئے ہیں۔ جب خدائے تعالیٰ نے ہمیں صاف الفاظ میں بتلا دیا ہے کہ:۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ ۴۸ : ۲۲	یہ اللہ کا دستور (ہے) جو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے تم اللہ کے دستور میں کبھی تبدیل نہ پاؤ گے۔
فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ۝ ۳۵ : ۴۳	سو تو نہ پائیگا اللہ کا دستور بدلتا اور نہ پائے گا اللہ کا دستور ٹلتا۔

قرآن کریم سے زیادہ معتبر اور قطعی دلیل اس دنیا میں اور کیا ہے جو ہم قطعی دلائل کو متروک کر کے ظنی استدلال کو لیے بیٹھے ہیں۔ کلام اللہ نے جن الفاظ سے اس کا اظہار فرمایا ہے ظاہر الفاظ کے

له معجزہ ایسے واقعہ کا نام ہے جس کے اسباب کا کامل علم نہ ہونے سے اس کی تصریح و تفہیم میں انسان عاجز ہو جائے اس عجز کے معنی نہیں ہو سکتے کہ اس واقعہ کے اسباب ہی نہ تھے یا وہ فوق العادۃ ظاہر ہوا۔ ہمارا عجز اس کے بلا سبب وقوع پر دلالت نہیں کر سکتا۔

لفظی معنی سے قانون خداوندی کا ٹوٹنا صحیح نہیں مانا جاسکتا۔ اِن ابواب کو آیات متشابہات میں شریک کرنا اس سے بہتر ہے کہ فرمان خداوندی کو بے اثر کریں۔ جس بنیاد پر ہم قانون خلقت کو بے اثر بنانا چاہتے ہیں وہ بنیاد بالکل کھوکھلی اور بے اعتبار ہے۔

معمولی حیثیت سے اسباب کے ساتھ جو کاروبار ہوتے ہیں وہ پائدار اور ہر زمانہ کے لیے دلیل ہوتے ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں کاروبار میں دو امور ایسے دائمی اور جاوید ہونگے۔ ہیں جو اس دنیا کے قائم رہنے تک باقی رہینگے اور ہر وقت اس کا ثبوت منکرین کے زبان وقلم سے بے ساختہ نکل آئیگا۔

اوّل یہ کہ ایسا یتیم و بیبس جس کی وجاہت کچھ نہ تھی اور دماغی قابلیت کے نسبت اس زمانے کسی اُستاد کے پاس ایک دن بھی نہ بیٹھا ہو اور ایسی قوم میں نشو ونما پائی ہو جس کی ساری زندگی وحشیانہ لوٹ مار خونریزی اور بے حیائی کے کاروبار میں صرف ہوئی ہو ایک ایسا مشن (یعنی پیغام) کا بوجھ باوجود اس بے کسی و بے بسی و بے حیثیتی کے اپنے دوش پر لیے ہوئے یہ دعوے کرے کہ میں کل عرب میں اسلام کو پھیلادونگا اور شرک و کفر کو عرب سے مِٹادونگا اور اس کا یقین اس درجہ کا ہو کہ ایسی بے کسی کی حالت میں اس کی زبان سے یہ کلمات نکلیں کہ آخر میں ہی کامیاب ہونگا۔ دنیا کے عجائب حالات میں داخل کرنے کے قابل ہے۔ اس کا اقرار خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکروں سے سُن لیا جائے۔ دوستوں کی بھی ضرورت نہیں۔

دوسرا ایسے اُمّی شخص کے زبان معجز بیان سے وہ کلام جاری ہو جو بہ حیثیت بلاغت و فصاحت بلغا و فصحائے عرب کو مفلوج کردے۔ وہ فلسفہ[له] حکمت اور اخلاق کا لاثانی نمونہ ہو جائے جس کی نظیر دنیا میں ملنی محال ہے۔

له مذہب یا عقیدہ اور شے ہے حکمت اور فلسفہ اور شے ہے۔ قرآن عقیدہ اور مذہب کی درستی کے واسطے نازل ہوا ہے نہ کہ حکمت و فلسفہ کی تعلیم دینے کے لیے۔ البتہ ضمناً اس میں حکمت اور فلسفہ کی بہت عمدہ باتیں ہیں جو بہ سبیل تذکرہ آگئی ہیں تذکرۃً بھی اس لیے اور فقط اس حد تک کہ اصل عقیدہ و مذہب اچھی طرح انسان کے ذہن نشین ہوجائے

اگر موجودہ زمانہ کے کاروبار کی حیثیت سے دیکھا جائے تو مصطفےٰ کمال پاشا اور عصمت پاشا جنھوں نے باوجود اپنی بے حیثیتی اور بے سروسامانی کے بڑی بڑی یورپ کی دولتوں کے مقابلہ میں صلحنامہ سیورسے کو ٹھکرا دیا اور ایک ادنیٰ امتی کی حیثیت سے وہ کام کیا۔ جس کو بڑے بڑے اولوالعزم بادشاہ نہ کرسکے یہ کیا ہی؟ یہ ہی وہ اسلامی شان کا نمونہ جس کو خدا نے مصطفےٰ کمال اور عصمت پاشا کے ذریعہ بتلایا۔ جس سے تمام عیسائی دنیا کی عقل چکر میں ہی۔ گو مصطفےٰ کمال نے اپنی بشری حیثیت سے سب کچھ کیا۔ اب نتیجہ کے متعلق غور کیا جائے تو یہ ایک نہایت عظیم الشان واقعہ ہی۔ [illegible] ہیں نہ کوئی جدت ہی نہ عجائبات نہ کرامت ہی۔ جملہ کاروبار اپنی معمولی حیثیت سے ظہور میں آئے۔ یہ سب اسی کلام اللہ کی تعلیم کا نتیجہ ہی جس کو قوت ارادی کہتے ہیں اور یہ وہ حالت ہی جو خدائی طاقت کہلاتی ہی اور یاد رہے کہ جب تک یہ تعلیم اپنے اصلی مرکز پر رہے گی ہر کام درست رہیگا۔ ورنہ اس کے مقابل کوہ ہمالیہ سا عظیم الشان پہاڑ ٹھوکروں میں ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اسی لیے کہا جاتا ہی کہ اگر تم اپنی قوت ارادی سے کام لوگے اور اس کو ترقی دوگے تو تم دنیا میں جیسا رہنا چاہوگے رہوگے۔ یہ سب ہمارے آنکھوں کے سامنے کے واقعات ہیں۔ ہماری نظر میں ان کی کوئی وقعت نہیں۔

کلام اللہ کے معنے کرنے میں علماء کو جو دشواریاں اور دقتیں واقع ہوئیں۔ اس کی نظیر میں ایک آیت پیش کی جاتی ہی جس کے ملاحظہ سے خود بخود اس امر کا اندازہ ہو جائیگا۔ کہ عجائب پرستی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔ آیت مذکور یہ ہی:۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ط ۵۶

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہم ان کو دوزخ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ وہ عذاب چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ اُن کی دوسری نئی کھالیں پیدا کریں گے

اس کے نسبت مؤلف محکمات مجلد اول نے جو بحث کی ہو وہ بجنسہ یہاں نقل کی جاتی ہے

وہو ہذا

یہ مضمون سورۂ نساء میں مذکور ہے۔ بظاہر ایک سیدھی بات ہے۔ لیکن وقت آفرینی و عجائب پسندی کی بنیاد پر چونکہ نشانیاں نکالی ہیں جیسے شکوفے چھوٹے اور تفسیروں میں جس نہج پر اس قسم کی روایتیں چلیں پھولیں ان کے نظارے عجیب پر لطف ہیں مثلاً

الف۔ دوزخیوں کی جب ایک کھال پک کر گل جائے گی تو دوسری کھال جو چڑھے گی اس کا رنگ سفید کاغذ جیسا ہوگا[1]

ب۔ کھال چالیس گز کی ہوگی دانت ستر گز کے اور شکم اتنا فراخ ہوگا کہ ایک پہاڑ اس میں سما جائے[2]

ج۔ دن بھر میں ستر مرتبہ گل جایا کریگی اور نئی کھال چڑھا کریگی[3]۔

د۔ روزانہ ستر ہزار کھالیاں آگ سے گل جایا کریں گی ہر کھال چالیس گز کی موٹی ہوگی[4]۔

ہ۔ دن میں سو سو مرتبہ نئی کھالیاں بدلی جائیں گی۔[5]۔

و۔ آگ ان کھالیوں کو روزانہ ستر ستر ہزار مرتبہ کھا جایا کریگی اور ہر مرتبہ کھال از سر نو بنے گی[6]

ز۔ جسم اتنا لانبا اور چوڑا کر دیا جائے گا کہ ایک تیز رفتار سوار کے لیے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں تین دن کی مسافت ہوگی[7]

(ح) دانت کوہ احد جتنے بڑے ہوں گے اور جسم کا موٹاپن تین دن کی مسافت کے برابر ہوگا[8]

(ط) نئی کھال جو پیدا ہوگی وہ دوزخیوں کے گوشت ہی سے بنی ہوگی[9]

(ی) نئی کھال جو بدلی جائیگی وہ اصل میں ذات کی تبدیلی ہوگی[10]

---

[1] قال ابن جریر حدثنا ابن حمید قال حدثنا جریر بن الاعمش عن ثویر عن ابن عمر قال اذا احترقت جلودہم بدلنا ہم جلوداً بیضاً امثال القراطیس

[2] عن المثنیٰ عن اسحاق عن ابی جعفر عن ابیہ عن الربیع قال الخ

[3] عن المثنیٰ عن سوید بن نصر عن ابن المبارک قال بلغنی عن الحسن الخ

[4] عن القاسم عن الحسین عن عبیدۃ الحماد عن ہشام بن حسان عن الحسن۔

[5] زعم ابو سعود العمادی ان ہذا الآیۃ قرئت عند عمرؓ فقال معاذ بن جبل عندی تفسیرہا بیدلہ فی ساعۃ مأۃ مرۃ۔

[6] قال الحسن تاکل ہم النار کل یوم سبعین مرۃ (ابو سعود) [7] عن مزاحم ابی السعود عن ابی ہریرہ۔

[8] ابو سعود عن ابی ہریرہ۔

ان روایتوں پر خود مفسرین نے اعتراض کیے ہیں اور بات بنانے کے لیے پھر جواب دینے کی کوشش بھی کی ہے علامہ ابن جریر طبری فرماتے ہیں :-

"اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ "جب ان منکروں کے کھلڑیاں پک کر گل اُٹھیں گی تو ہم ان کے علاوہ دوسری کھلڑیاں بدل دیں گے"

کیا یہ جائز ہے کہ ان کھلڑیوں کے علاوہ جو دنیا میں تھیں دوسری کھلڑیاں بدل جائیں اور ان میں عذاب ہو۔ پھر اگر یہ جائز ہے تو ان ہی کھلڑیوں پر عذاب ہوگا جواز تسلیم ہوا اور یہ بھی جائز مان لو کہ دنیا میں جو روحیں اور جسم تھے وہ بھی بدل جائینگی اور تبدیل شدہ (نئے) اجسام و ارواح پہ عذاب ہوگا۔ یہ بات اگر جائز ٹھہری تو ہم کو لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ آخرت میں آگ کا عذاب ان لوگوں پہ ہوگا جو ان لوگوں کے علاوہ ہونگے جن کے انکار و نافرمانی پر خدا نے انھیں عذاب کی دھمکی دی تھی کافروں سے عذاب اٹھ جائیگا [1]

پھر لکھتے ہیں :-

دوزخی کافروں کی کھلڑیاں جل جائینگی اس لیے جل جانے کا تو یہ مطلب ہوا کہ وہ فنا ہو جائینگی اور ظاہر ہے کہ فنا ہو جانے میں ان کے لیے راحت و آسائش ہے اللہ تعالیٰ اس بارہ میں خبر دے چکا ہے کہ دوزخی نہ تو مرینگے اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ کافروں کی کھلڑیاں ان کے جسم ہی کی ایک جز ہیں جسم کا کوئی جز آگ میں جل کر فنا ہو جائے اور پھر فنا ہونے کے بعد آگ ہی میں اس کا اعادہ بھی ہو تو ایک جز میں ایسی کیفیت کو ماننے سے یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی کیفیت تمام اجزا کے لیے بھی جائز ہے۔ یعنی ہر جزو بدن اور پورے جسم کا یہی حال ہو سکتا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دوزخیوں کے جسم کا فنا ہو جانا پھر از سر نو پیدا ہونا مرنا پھر زندہ ہونا جائز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خبر دے چکا ہے کہ دوزخیوں کو موت نہ آئے گی۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی دلیل اس دعویٰ کی ہے کہ ان کے جسم کے کسی جزو پہ موت لاحق نہ ہوگی۔ اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ کھلڑی جسم کا ایک جزو ہے [2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ) [3] قال السدی انہ تعالیٰ یبدل الوجود من لحم الکافر جلداً من لحمہ جلداً الاخری (رازی) [4] قال النیشاپوری جزم صاحب الکشاف بان المراد ان ھذا التبدیل ھو تغیر الذات فلھذا فسر التبدیل بالابدان (زمخشری و نیشاپوری) ۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۸۳ [2] تفسیر ابن جریر جلد ۵ صفحہ ۸۵

یہ اعتراضات معترضین کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں۔ اور جواب بھی خود اپنے طرف سے نہیں دیا ہی مفسرین کے تین جواب نقل کر دیے ہیں مگر لہجہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ان میں کسی پر اطمینان نہیں ہی۔[1] ان جوابوں کا خلاصہ حسب ذیل ہی:-

الف۔ دوزخ کا عذاب دراصل انسان کے لیے ہی گوشت و پوست کے لیے نہیں ہی جلنے کو جلد (کھلڑی) ہی جلیگی۔ لیکن مدعا خود انسان کا جلانا ہی جو گوشت و پوست سے بالکل ایک علحدہ چیز ہے بار بار نئی کھلڑی اس لیے پیدا ہوگی کہ اس کے جلنے سے انسان کو تکلیف پہونچتی رہے اور سلسلۂ عذاب منقطع نہ ہونے پائے۔ رنج و راحت کا احساس نفس کو ہوتا ہی۔ گوشت و پوست کو نہیں ہوتا گوشت و پوست کا عذاب اصل میں عذاب نفس کا ایک ذریعہ ہی اور یہ ایک ایسا واضح اور کھلا ہوا مسئلہ ہی جس کی واقعیت میں کسی فہمیدہ شخص کو کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہوسکتا۔

ب۔ گوشت و پوست میں بھی آسائش و تکلیف کے محسوس کرنے کا مادہ موجود ہے جسم کے کسی عضو میں درد ہوتا ہے تو سارے بدن پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ دوزخیوں کے گوشت و پوست کے جل جانے۔ اور پھر سے نئے گوشت و پوست کے پیدا کرنے کا یہی منشا ہی۔

ج۔ دوزخیوں کے لیے نئی نئی کھلڑی بدلنے کا یہ مفہوم نہیں ہی کہ واقع میں نیا گوشت و پوست ہر گھڑی پیدا ہوتا رہیگا۔ بلکہ جیسا کہ قرآن کریم نے ایک اور مقام پر بیان کیا ہے کہ

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ سورہ ابراہیم ۱۴۔ رکوع ۷، آیت ۵۱۔	تم اس روز گنہگاروں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھوگے۔ ان کے کرتے گندھک کے ہونگے آگ ان کے مونہوں کو ڈھانک لیگی۔ غرض یہ ہے کہ جس نے جو کمائی کی ہے اللہ اس کی جزا دے درحقیقت اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

یہاں بھی اسی کے مطابق دوزخیوں کے کرتے جو گندھک کے ہونے کی وجہ سے بہت

---

[1] جواب کی ابتدا "قیل" سے کی ہی جو تضعیف و تمریض کے لیے استعمال ہوتا ہی یعنی استدلال کے وثوق و اعتماد پر تضعف و کمزوری کی دلیل ہی ۱۲

زیادہ اشتعال پذیر ہونگے۔ جب جب جل چکینگے تو دوسرے کرتے بدلدیے جائینگے۔ یعنی کھال کی تبدیلی سے تبدیلِ لباس مراد ہے۔

یہ تشریحیں دلنشیں ہوں یا نہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر (۱) احساس کا مادہ محض انسان کے نفس میں ہے۔ گوشت و پوست میں نہیں ہے اور نفس ہی پر عذاب کرنے کے لیے گوشت و پوست کو بھی جلایا جائیگا تو کیا یہ ممکن نہ تھا کہ براہ راست نفس پر عذاب ہوتا اور وہ اجزائے جسم جن میں احساس ہی نہیں ہے اور اس لیے اگر عذاب بھی ہوا تو ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ اس لپیٹ میں نہ آتے۔ جب کسی چیز میں عذاب کی حس ہی نہیں تو خواہ مخواہ کو اسے چھیڑنے یا ستانے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔

(۲) خالی گوشت و پوست میں بھی اگر احساس ہے تو گوشت کا وہ پارچہ اور کھال کا وہ جزو جو بدن سے جدا ہو چکا ہو یہ احساس اس میں کیوں نہیں ہے؟

(۳) تبدیلِ جلد سے اگر تبدیلِ لباس مراد ہے اور پہلے لباس ہی کے جلنے کے بعد اہل دوزخ کو نیا لباس تبدیل کرایا جائیگا تو اس کے لیے آیت میں لفظ "نضجت" کا استعمال ہے۔ جس کے معنی گل کر پک جانے کے ہیں کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ عربی زبان میں جب یہ محاورہ بھی نہیں ہے تو قرآن کریم کی بلاغت اس غلطی کو کب روا رکھنے لگی تھی۔ اس موقعہ پر امام فخر رازی نے بھی دو اعتراض پیدا کیے ہیں:- الف۔ خدا میں جب اس قدر قدرت ہے کہ دوزخیوں کو ہمیشہ آگ میں زندہ رکھ سکتا ہے تو کیا وہ ان کے جسم کے باقی رکھنے پر قادر نہ تھا کہ عذاب بھی ہوا کرتا۔ اجزائے جسم بھی فنا نہ ہوتے اور نئے گوشت و پوست کے چڑھانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

ب۔ جس گوشت و پوست نے گناہ کیے تھے جب وہ آگ میں جل چکا تو نئے گوشت و پوست کو جو بالکل بے گناہ ہیں پیدا کرکے آگ میں جلانا صریح بے انصافی ہے۔

پہلے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:-

خدا جو چاہے کرے اس سے کوئی بازپرس نہیں۔ ہم تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ دوزخیوں کے جسم کو بغیر آگ کے آگ میں ڈالنا بڑے سخت سے سخت عذاب دے سکتا ہے مگر اس پر بھی اس نے آگ ہی میں ڈالا۔

---

(۱) یہ اور اس کے قبل کے دونوں اعتراض اور بعد کے پانچوں جواب تفسیر کبیر میں تفصیل سے موجود ہیں ملاحظہ ہو جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ (طبع خیریہ مصر [illegible])

دوسرے اعتراض کے حسب ذیل جواب ہیں۔

الف۔ نفخ اور نضج یہ دونوں دو چیزیں ہیں اس لیے ذات کے اعتبار سے جسم تو وہی رہیگا جو دنیا میں تھا۔ البتہ صفت بدلی ہوگی۔

ب۔ عذاب اصل میں انسان پر ہوگا اور ظاہر ہی کہ کھلڑی انسان کی ماہیت میں داخل نہیں ہے بلکہ اس سے ملی ہوئی ایک زائد چیز ہے۔ نئی کھلڑی انسان تک پہنچانے کا ایک ذریعہ ہوگی اس لیے حقیقت میں عذاب اسی کو ہوا جس نے گناہ کیے تھے۔

ج۔ کھلڑی سے مراد جسم کے کرتے ہیں۔

د۔ اس سے حقیقت مراد نہیں استعارہ مقصود ہے۔

ھ۔ دوزخیوں کے جسم پر نئی کھلڑی جو پیدا ہوگی وہ انہیں کے گوشت سے بنی ہوگی۔ اور ظاہر ہی کہ ارتکاب گناہ میں یہ گوشت بھی شریک رہ چکا ہے۔

یہ توجیہیں خواہ کیسی ہی وجیہہ کیوں نہوں لیکن ہنوز یہ شبہ باقی رہتا ہے کہ۔

(۱) بے شبہ خدا سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا اس کی تمام باتیں حکمت پر مبنی نہیں ہیں کیا ایک نیا شبہ پیدا کر دینے سے پہلے شبہ کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ اور کیا خود امام صاحب نے ایک موقعہ پر یہ نہیں لکھا ہی کہ آتشِ دوزخ سے وہ آگ مراد نہیں ہے جس میں کیمیائی مادے ہوا کرتے ہیں۔

(۲) تبدیلی خواہ جسم میں ہوئی ہو یا اس کی صفت میں سوال تو یہ ہے کہ مجرم خود انسان تھا جو ذی روح اور صاحب ارادہ بھی ہی۔ گوشت و پوست میں یہ مادہ کہاں کہ اپنے ارادہ سے کوئی کام کر سکیں۔ انسان کی طبیعت نے جب اپنی مرضی کے مطابق جیسا چاہا اُن سے کام لیا۔ اور وہ انسانی اغراض کے حاصل ہونے میں محض آلہ ہی آلہ ہو۔ اس صورت میں عذاب کا مستحق اگر ہی تو انسان کا نفس ہی کھلڑی نے کیا گناہ کیا تھا کہ اس کو بار بار جلایا جائے۔ یہ عذاب اگر محض اس بنا پر ہے کہ جرم کے وقت کھلڑی بھی جسم انسانی کی شریک حال تھی تو اس ضابطہ کی رو سے اُس حصۂ زمین کو بھی جس پر جرم ہوا ہو اور اس کپڑے کو بھی جو حالتِ جرم میں مجرم کے جسم پر رہا ہو عذاب دینا چاہیے

(۳) استعارہ کی توجیہہ قرینِ قیاس تو ہے مگر اس کا معقول ثبوت درکار ہے۔

(۴) مفسر سدی کی یہ رائے کہ "دوزخیوں کے جسم پر نئی کھلڑی جو پیدا ہوگی وہ انھیں کے گوشت سے بنی ہوگی۔ اس لیے یہ اعتراض نہونا چاہیئے کہ نئی کھلڑی پر جو کسی حالت میں شریک گناہ نہ تھی۔ کیوں عذاب ہوا"۔ ایک ایسی رائے ہو جو اسی وقت قابل تسلیم ہوسکتی ہو جب یہ بھی ثابت ہوجائے کہ سورۂ اعراف میں سوئی کے ناکے سے اونٹ کے گذر جانے کی قرآن نے جو شرط کی ہو وہ خدا کے نزدیک محال ہو تو ہو مگر واقع میں محال تو نہیں ہے۔ جسم خواہ کتنا ہی لانبا چوڑا کیوں نہونا ہم اس کی ایک انتہا ہوتی ہو۔ گوشت سے اگر ہمیشہ کھلڑی بنا کی اور ایک کے جل جانے کے بعد دوسری پیدا ہوتی رہے تو ایک نہ ایک دن ایسا بھی آئیگا کہ سارا جسم خود بخود فنا ہوجائیگا اور عذاب جاوید کی نوبت ہی نہ آنے پائے گی۔

(۵) طبی تحقیقات نے ثابت کر رکھا ہو کہ اجزائے بدن تحلیل ہوا کرتے ہیں۔ پرانے اجزا کی جگہہ نئے اجزا لیتے رہتے ہیں اور اس طرح ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جبکہ وہ جسم جس کو لیکر انسان پیدا ہوا تھا ہمہ تن بدل چکا ہوتا ہو۔ فرض کرو کسی شخص نے ابتدائے زندگی میں کوئی ایسا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں دوزخ نصیب ہوا اور آگ میں جلنا پڑا۔ سوال یہ ہے کہ وہ اجزا جسم جن کے ذریعہ سے ارتکاب گناہ کا اس کو موقعہ ملا تھا جب وہ حالت زندگی ہی میں تحلیل ہوچکے تھے اور پیرانہ سری کے عالم میں نئے اجزا نے جن کو ابتدائے عمر کی غلط کاریوں سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا پرانے اجزا کی جگہہ لے لی تھی تو آخر کس جرم کی پاداش میں اُن کو جلایا جائیگا۔

عراق عرب کے مشہور مفسر شہاب الوسی کی رائے اس موقعہ پر سننے کے قابل ہے فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ سوال ایسا نہیں ہے جسے کوئی صاحب کمال تو کیا معمولی عقل کا آدمی بھی کرسکے سبب یہ ہو کہ کھلڑی کی نافرمانی۔ اطاعت۔ الم پذیری اور لذت یاب ہونا یہ سب نامعقول باتیں ہیں اس لیے کہ ذاتی حیثیت سے اس میں اور دوسرے جمادات میں کوئی فرق نہیں ہو۔ احساس و ادراک و شعور نہ ان میں ہے اور نہ اس میں۔ آلہ سے بہت زیادہ وہ ملتی جلتی ہے۔ مثلاً جس شخص نے کسی کو بے گناہ قتل کیا ہو اس کا ہاتھ بھی آلۂ قتل ہو اور اسی تلوار کے مشابہ ہو جس سے مقتول کی اس نے جان لی تھی۔ ان دونوں میں بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں ہے کہ ہاتھ میں جان ہو اور تلوار میں نہیں ہو۔ لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی بنا پر ہاتھ کو پھر پیدا کرکے جلایا جائے اور تلوار اس سے مستثنیٰ رہے

سبب یہ ہو کہ یہ بے اختیاری کی بات تھی لہذا حق یہ ہو کہ عذاب اس نفس پر ہوگا جس میں حس ہے خواہ وہ کسی بدن میں جائے اور کسی جسم میں رہے یہی حالت بہشت کی نعمتوں کی بھی ہو [1]

اس کے بعد متعدد حدیثیں تائید میں روایت کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں :۔

مذہب کی رو سے اگر بدیہی طور پر یہ بات معلوم نہ ہوتی کہ جسم کے لیے معاد لازمی ہے اور اس کا انکار حد کفر تک پہنچتا ہے تو عقل کی رو سے یہ بات کوئی دور نہ تھی کہ راحت و عذاب دونوں روحانی ہونگے اس لیے کہ بالفعل جسم کا ثبوت دینے پر معاملہ موقوف ہو۔ یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جو چیز معدوم ہو چکی ہو اس کے اعادہ کو میں محال کہہ رہا ہوں معاذ اللہ۔ لیکن میں یہ البتہ کہتا ہوں کہ نہ جسم جو معدوم ہو چکا ہو اس کا واپس لانا خواہ ممکن ہو مگر اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ حدیثیں بھی اس باب میں ایک دوسرے کے معارض ہیں بعض سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ جسم کے معدوم ہو جانے پر بعینہٖ اسی جسم کا اعادہ ہوگا اور بعض کا یہ مفہوم ہو کہ پہلا جسم تو فنا ہو چکا ہے مگر ویسا ہی دوسرا جسم پیدا ہو جائے گا۔ جب معاد جسمانی کو ہی ماننا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان میں سے جس بات کو چاہیں مان لیں۔

آیت کا مطلب بیان کرنے سے پہلے دو باتیں بطور اصول کے سن لینی چاہئیں۔

الف۔ قرآن کریم نے عذاب آخرت کی جو تشریحیں کی ہیں اس کی صورتیں زیادہ تر انسان کی اخلاقی کمزوریوں سے وابستہ ہیں۔ امام غزالی لکھتے ہیں :۔

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ "ہرگز نہیں اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو دوزخ کو تم دیکھ لیے ہوتے" راز یہ ہو کہ دوزخ تمہارے دل میں موجود ہو لہذا اس کو یقین کے ذریعہ سے دیکھ لو قبل اس کے یقین کی آنکھ سے اس کو دیکھو گے [2]

ب۔ بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں جس قدر واقعات مذکور ہیں ان سب میں مجاز کا پہلو ہو۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :۔

خدا نے آخرت میں جس راحت و عذاب کا وعدہ کیا ہو اس کی خبر اور نیز ان چیزوں

---

[1] تفسیر روح المعانی سورہ نساء

[2] جواہر القرآن۔

کی خبر جو کھائی۔ پی۔ صحبت کی اور بچھائی جاتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا جن چیزوں کا وعدہ ہے اگر دنیا میں بھی انھیں سے ملتی جلتی ہوئی چیزوں کا ہم کو علم نہ ہوتا تو ہم ان وعدوں کو سمجھ سکتے ہی نہ تھے۔ با ایں ہمہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ واقعات (جو بہشت و دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں مذکور ہیں)، ایسے ہی نہیں ہیں (جیسے دنیا میں نظر آتے ہیں)، حتیٰ کہ حضرت عباس کا قول ہے کہ بہشت میں جو چیزیں ہیں ان میں سے دنیا میں کوئی چیز بھی نہیں ہے اگر ہے تو صرف نام ہے[1]۔"

بہرحال اصولی ایضاح کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے اور اب اس کے بعد آیت زیر بحث کی تفصیل کے لیے امام رازی کے اس فقرہ کو درج کر دیتے ہیں کوئی مضائقہ نہیں ہے جو ان کی رائے میں واقع ہو یا نہ ہو مگر ممکن ضرور ہے لکھتے ہیں۔

"وہ کہہ سکتے ہیں کہ آیت میں عذاب کے ہمیشہ رہنے اور منقطع نہ ہونے کے جانب اشارہ ہے جس طرح اس شخص کی نسبت جس کی مداومت کی تعریف مقصود ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ جب وہ ختم کر چکتا ہے تو پھر شروع کر دیتا ہے۔ جب آخر تک پہنچتا ہے تو پھر اول سے ابتدا کرتا ہے۔" اسی مضمون کی یہ آیت بھی ہے کہ "ان کی یعنی دوزخیوں کی کھالیں جب گل جائیں گی تو ہم بجائے ان کے دوسری کھالیں بدلیں گے"، یعنے جب وہ یہ سمجھیں گے کہ اب تو کھال تک جل چکی اور ہلاکت کا موقع آگیا (کیونکہ وہ اسی کو غنیمت سمجھیں گے کہ بلا سے گوشت جل جلائے۔ کہیں اس عذاب کی زندگی سے تو نجات ملے)، تو ہم از سر نو انھیں زندگی کی ایسی طاقت عطا کریں گے کہ ان کو گمان ہوگا کہ ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں لہٰذا آیت کی غرض یہ ہوگی کہ عذاب جاوید کا تذکرہ کیا جائے اور اس کے مسلسل قائم رہنے کی توضیح ہو[2]۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین القمی نیشاپوری فرماتے ہیں:۔

"کھال گل کر پک جانا مقصود ہے نہ جلنا مراد ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ سلسلۂ عذاب ہمیشہ رہیگا اور منقطع نہ ہوگا[3]۔"

۱

---

[1] رسالہ فی شرح حدیث النزول۔

[2] تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۳۰۔

[3] تفسیر نیشاپوری جلد ۵ صفحہ ۷۱۔

یاد رکھو قرآن کریم عجائب پرستی کی تعلیم نہیں دیتا اس کی تمام ہدایتیں عقل صحیح کے موافق اور مطابق ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ دریائے ناپیدا کنار سے کوئی ناآشنا رہے اور فتنہ انگیزی کے لیے اس کے حیات افزا اور رواں پرور تموج کو ہوا و ہوس کے کام میں لائے۔

تونگر بر لب جوئے نہ ہوس بینی ورنہ ہر فتنہ کہ بینی ہمہ از خود بینی

یہ بیان یہاں ختم ہوا اس طول و طویل بحث سے نتیجہ کیا نکلا؟ بحث کی معقولیت کی نسبت مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہر شخص جس کو فہم سلیم ہو اس پر سمجھ سکتا ہے۔ اگلے لوگوں نے روح اور جسم کو دو چیز قرار دیکر جسم کو روح سے جدا کر دیا۔ اب جسمی بحث کی توضیح روحی بحث میں کیسے چھپ سکتی ہے۔ اس کو کھینچ تان کر بھی ثابت کرنا چاہیں۔ تو بھی ناممکن ہے۔ شہاب الوسی نے حشر اجساد کی جو بحث اس معاملہ میں چھیڑی ہے وہ بحث درحقیقت قابل لحاظ ہے۔ لیکن مولف محکمات نے جو اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "کیا اس کی تمام باتیں حکمت پر مبنی نہیں ہیں" اور "یاد رکھو کہ قرآن کریم عجائب پرستی کی تعلیم نہیں دیتا اس کی تمام ہدایتیں عقل صحیح کے موافق و مطابق ہیں" اس حکمت پر اگر شہاب الوسی کے حشر اجساد کے بیان کے ساتھ غور کیا جاتا تو اتنی بحث کی ضرورت نہ ہوتی۔ اور معاملہ پر پوری روشنی پڑتی۔

ہر شخص معمولی غور کے بعد یہ سمجھ سکتا ہے کہ مادی دنیا کا معاملہ کسی خارجی دنیا میں لے جانے سے سلجھنا دشوار ہوا۔ اگر قصہ زمین برسر زمین ہوتا تو معاملہ بلا چون و چرا اور بلا کسی تاویل کے قابل قبول ہو سکتا تھا۔ کفار عرب کے اس اعتراض پر کہ "خدا کو اگر کسی رسول کے بھیجنے کی ضرورت تھی تو کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا۔ خدا فرماتا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ ۱۷-۹۴-۹۵

اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ لگے کہنے کیا خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جواب دو کہ زمین میں اگر فرشتے ہوتے کہ اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم فرشتہ ہی کو آسمان سے پیغمبر بنا کر بھیجتے۔

سوال یہی کہ مادی دنیا کے کاروبار کو دنیا کے باہر کیسی سزا؟ روح کو جسم کی اس لیے ضرورت ہوئی کہ وہ رنج وراحت کا احساس کرلے۔ جب مادی جسم تھا وہ رنج وراحت کیا۔ زمین کی مخلوق کے لیے اس کے جملہ تعلقات زمین سے وابستہ ہیں تو اس زمین کے قانون کی پابندی بھی اس پر واجب ہو جاتی ہی۔ پھر اس قانون کا انحراف کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اگر اس سے انحراف کیا جائے تو مادی عالم کے تحریر کے معنی کسی دوسرے عالم پر کیسے چسپاں ہو سکتی ہی۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ مرنے کے بعد تم کو تمہارے اعمال کی سزا وجزا کے لیے اُٹھاتا ہے تو سیدھی سادھے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات کے بتوں کو جب تک نہ توڑے اور کامل الایمان صالح و متقی نہ ہولے اس کو بھی مرنے اور زندہ ہونے کا دورہ لگا رہے گا۔ اِس سے اس کا چھٹکارا محال ہی۔ یہی معنی آیت مذکورہ کے ہیں۔ جب جسم گل جائے گا ہم اس کو سزا کے لیے نیا جسم دیتے جائینگے۔ چنانچہ آیت بالا میں لفظ نضجج کا استعمال بھی اسی وجہ سے ہوا ہے جس کے نسبت خود مولف محکمات نے اعتراض کیا ہے۔ اور در اصل نضجج کے معنی کسی چیز کا فطرتاً گلنا اور پک جانا ہے جیسے پختن میوہ پختن ریش و پختن مادہ وغیرہ جو اعضا استعمال کی وجہ سے بیکار ہو جاتے ہیں۔ ان سے جسم کی پرورش نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ وہ جسم تحلیل ہوتے ہوتے موت کا شکار ہوتا ہے اور وہ گوشت و پوست گل گلا کر مٹی ہو جاتا ہے اسی مادہ سے پھر نیا گوشت و پوست لیکر وہ حضرت جہنم کی ہوا کھانے کے لیے پھر اس دنیا میں موجود ہوتے ہیں اصل یہ ہے کہ مسلمانوں نے خدا کو محض قادر مطلق مان لیا ہے۔ اور قادر مطلق کی صفت جو حکمت ہی اس کو متروک کر دیا ہے۔ سب نقائص اس سے پیدا ہوتے ہیں تحقیقاً اگر دیکھا جائے تو دنیا میں رتی بھر ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس عالم میں محض قدرت سے بلا ذریعہ حکمت کے کوئی کام کیا ہو اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جبکہ اس نے خود صاف صاف اس کو واضح کر دیا ہو کہ ہم نے اس عالم کا انتظام حکمت سے کیا ہے اور جب اس کو کسی بات کا حکم دینا منظور ہوتا ہے تو اولاً اُس کے اسباب فراہم کر دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:-

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا — اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے

مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ ۱۷:۱۶

تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرچلتے ہیں پھر وہ بستی عذاب کی مستحق ہوجاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو مار کر تباہ کردیتے ہیں

اور ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ ۶:۴۴ و ۴۵

پھر جب بھول گئے جو نصیحت کی تھی ان کو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب خوش ہوئے پائی ہوئی چیز سے پکڑا ہم نے ان کو بے خبر پھر تب ہی وہ رہ گئے نا امید پھر کٹ گئی جڑ ان ظالموں کی اور سراہیئے کام اللہ کے جو رب ہے سارے جہان کا۔

اور ایک جگہ سورۂ یوسف میں خداوند کریم حضرت یوسفؑ کی زبانی فرماتا ہے۔

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝

میرا رب تدبیر سے کرتا ہے جو چاہے بیشک وہی ہے خبردار حکمت والا۔

کیا یہ اسباب اس کی حکمت کی دلیل نہیں ہیں۔

خدائے تعالیٰ کلام اللہ میں ایک جگہ فرماتا ہے:۔

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ۝

اور تم میں سے کوئی نہیں جو جہنم پر سے ہوکر نہ گذرے یہ وعدہ فیصل شدہ ہے جو تمہارے پروردگار پر لازم ہے۔

اب اس آیت کے معنی پر غور کیا جائے کہ جب جنت و دوزخ اس زمین سے خارج نہیں ہیں جیسا کہ ہم نے اس کے مقام پر آیات کلام اللہ سے استدلال کیا ہے تو دنیا میں انسان اپنی ناتجربہ کاری جہالت اور بے سمجھی سے ہزاروں برائیوں اور لغزشوں میں پھنس کر دنیوی تجربے حاصل کرتا ہے تو اس کو کہیں آگے چل کر صراط مستقیم نظر آتا ہے۔ تو گویا کوئی انسان بغیر جہنم سے گذرنے کے جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔ ورنہ نیک آدمی کو جہنم پر سے لے جانا

کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جنت و دوزخ انسان کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ہر انسان کو جہنم پر سے گذرنا خدا نے فرض کر دیا ہے۔ چنانچہ سلوک کے جو مدارج ہیں ان میں رتی برابر خودی کا خیال پیدا ہونا انسان کو جہنم کے غار میں پہنچا دیتا ہے۔ خود کلام اللہ میں بنی اسرائیل کے عابد کا قصہ اس کا شاہد ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج

۷ : ۱۷۵، ۱۷۶

اُن لوگوں کو اُس شخص کا حال پڑھکر سُناو جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں پھر اُس نے وہ کینچلی اتار دی تو شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں جا ملا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ان کی برکت سے اس کا مرتبہ بلند کرتے مگر اس نے پستی میں گرنا چاہا اور اپنی خواہش نفسانی کے پیچھے لگ گیا۔

کیا یہ جملہ واقعات اس دنیا کے نہیں ہیں اور جنت و دوزخ کا مضمون اس دنیا سے خارج ہے مسلمانوں کے عروج اوّل کا دوران مسلمانوں نے جو کلام اللہ کی تبعیت میں حاصل کیا تھا ختم ہو چکا تو مسلمانوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھنے کا نام تقدیر اور راضی برضا سمجھ لیا۔ اس کی تعبیر اس سے کرنے لگے کہ ہمارے لیے مرنے کے بعد عیش ہوگا۔ تسکین قلب کے لیے کسی حیلہ کی ضرورت تھی اس کو نہ تو توکل سے کچھ علاقہ ہے اور نہ یہ خدا کی تعلیم ہے۔ اگر تعلیم کا یہی منشا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت میں جو جد و جہد اور جو مصیبتیں جھیلیں اور تکالیف برداشت کیں اور جس استقلال کے ساتھ اپنی اشاعت کو مکمل فرمایا اس کی ضرورت نہ ہوتی۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا توکل نہیں ہے۔ ہم کو کسی صورت سے بھی اسباب سے غافل نہ ہونا چاہیے اور استقلال سے اپنی پچھلی ناکامیوں کا بغیر خیال کیے کوشش کیے چلے جانا توکل اور صحیح توکل ہے۔ اس کے خلاف جو غلط اعتقاد ہمارے دلنشیں اور جس کی بدولت ہم آج جس طرح خاک مذلت میں گرفتار ہیں ہماری بربادی کا باعث اصلی ہے۔

میں نے جو کچھ بیان کیا ہے فقط اپنی نیک نیتی سے بیان کیا ہے۔ جہاں تک مسلمانوں

کے خیالات اور حالات دیکھے جاتے ہیں اس سے مجھ کو سخت صدمہ پہنچتا ہے - میں نے اپنا فرض سمجھکر اس کا اظہار کیا ہے - اگر منجملہ مسلمانوں کے ایک شخص کو بھی اس سے صراط مستقیم نظر آجائے تو میری محنت ٹھکانے لگی -

خاتمہ پر اگر میں ان معزز حضرات کا شکریہ نہ ادا کروں تو میں ناشکرگذار سمجھا جاؤں گا جنھوں نے اپنے علم دوست ہونیکا ثبوت اس کتاب کی تیاری میں دیا -

یہ کتاب ایسے عہد حکومت میں تیار اور شائع ہوئی ہے - جس کو عہد مامون رشید عباسی پر ترجیح دی جائے تو مبالغہ نہ ہوگا - کیونکہ مامون رشید کا وقت مسلمانوں کے پورے اقبال کا تھا اقبال کے زمانہ میں - جو کام ہو وہ بہت کم ہے یہ زمانہ مسلمانوں کے لیے ویسے ہی پورے ادبار کا ہے اس وقت ایسی بداقبالی کے زمانہ میں ہزاگز الٹیڈ ہائی نس رستم دوران ارسطوے زمان سپہ سالار مظفر الملک والممالک آصفجاہ میر عثمان علی خاں بہادر فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک دوست وفادار گورنمنٹ برطانیہ لفٹنٹ جنرل کا زمانہ کل ہندوستان کے لیے مایۂ فخر و ناز ہے - جس کے مبارک عہد میں اردو یونی ورسٹی حیدرآباد میں قائم ہوئی جس کی وجہ سے مغربی علوم کا ترجمہ اردو کو مالا مال کردیگا - اور اس سے علمی خیالات میں بہت ترقی ہوگی - عموماً اہل ہند کو غیر زبان میں تعلیم حاصل کرنے سے جو دشواریاں کہ جھیلنی پڑتی تھیں اور عمر کا ایک بڑا حصہ غیر زبان کا صرف ادبی علم حاصل کرنے میں صرف ہوتا تھا اس سے چھٹکارا ملیگا - جو اصحاب علم انگریزی سے ناواقف ہیں اپنی زبان میں علوم آجانے کی وجہ سے بطور خود اس سے مستفیض ہوسکتے ہیں - ایسے علم دوست ظل اللہ کا جس قدر شکریہ ادا کیا جائے کم ہے جب بھی عبایائے ہند اس کی احسانمندی سے سبکدوش نہیں ہوسکتی - اس مبارک دور کی ترقیات اور احسانات کا اگر ذکر کیا جائے تو ایک ضخیم جلد کی ضرورت ہوگی - علمی حیثیت سے ہماری غرض کے لیے صرف اتنا بیان کافی ہے - کیا عجب ہے کہ ہمارے علماے کرام بھی ان علوم مغربی سے مستفیض ہوکر عام مسلمانوں کی ترقی کے باعث اور مذہب کی صحیح تعلیم کی ترویج میں حصہ لیں - اس لیے کہ مسلمانوں کو اس کی آجکل بہت زیادہ ضرورت ہے اور ان کی ترقی کا راز صرف اسی میں مضمر ہے خدا ہمارے ظل اللہ کے دور حکومت کو زمانہ ممتد تک قائم و دائم رکھے - آمین فقط -

محمد عبدالوہاب
حیدرآباد دکن
۲۴ نومبر ۱۹۲۰ء
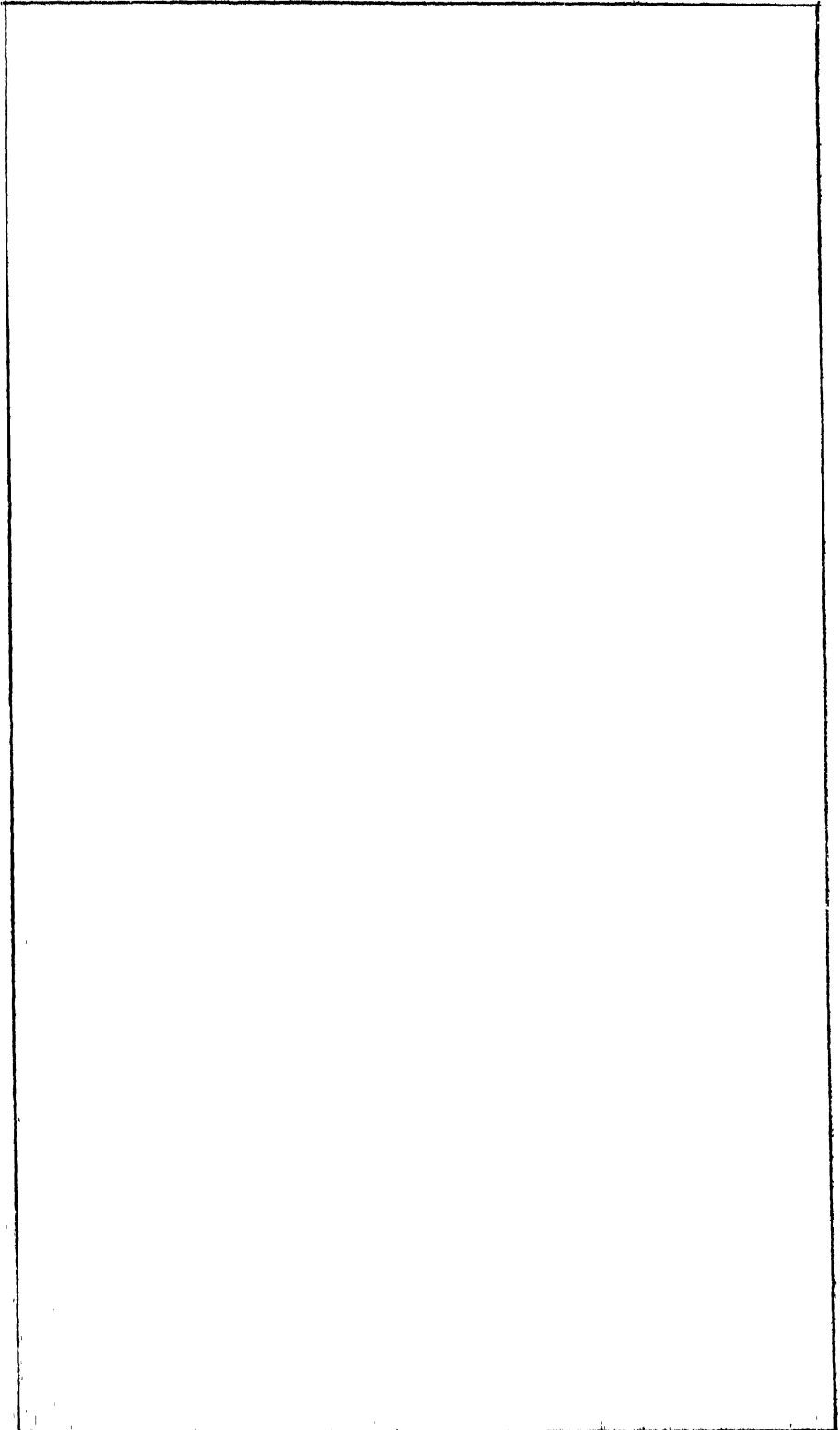
بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

خود نوید زندگی لائی قضا میرے لیے — شمع کشتہ ہوں فنا میں ہی بقا میرے لیے

تناسخ کس کو کہتے ہیں

تناسخ فطرت کا ایک سیدھا سادھا اصول ہی جس سے روح کے ناقابل فنا ہونے کا پتہ چلتا ہی اور فلسفہ کا ایک ایسا مسئلہ ہی جس سے ارتقا کے مدارج کی تشریح ہوتی ہے اور اس کا انجام بالکل فطرتی اور موثر طریق سے بتلایا جا سکتا ہی اور یہ پتہ چلتا ہی کہ ارواح ہر وقت تازہ بتازہ پیدا کیے جا کر دنیا میں نہیں بھیجے جاتے بلکہ ان کا سفر اس دنیا میں بے انتہا عمر و زمانے سے مسلسل ہوتا جا رہا ہے۔ جس کی تصدیق آیات کلام اللہ سے ہوتی ہی۔

(۱) وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ ۚ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ۙ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ۝ (۷ : ۱۷۲، ۱۷۳)

جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کے پیٹھوں سے ان کی نسلوں کو باہر نکالا اور اُن کے مقابلہ میں خود اُنھیں کو گواہ بنایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب بولے ہاں۔ ہم گواہ ہیں۔ کہیں قیامت کے دن تم کہنے لگو۔ ہم تو اس بات سے بے خبر ہی رہے یا کہنے لگو کہ شرک ابتدا میں ہمارے بڑوں ہی نے کیا۔ ہم انھیں کی اولاد تھے ان کے بعد آئے تو کیا تو ہم کو ان لوگوں کے جرم کی پاداش میں ہلاک کیے دیتا ہے۔ جنھوں نے پہلی غلطی کی

(۳) لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝ (۱۹ : ۹۴، ۹۵)۔

خدا نے اُن کو گھیر رکھا ہی اور ان کو گن رکھا ہی اور یہ سب قیامت کے دن اکیلے اس کے حضور میں حاضر ہوں گے

(۳) وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ ۸:۵۷

اور تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ رسول تم کو تمہارے ہی پروردگار پر ایمان لانے کے لیے بلا رہے ہیں۔ اور اگر تم کو یقین آئے تو خدا تم سے عہد لے چکا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی آیت ہائے بالا کی مزید تائید کرتا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ الْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُجَنَّدَةٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔

تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ صفحہ ۲۱۳ حدیث ۵۳ ۱۲

بخاری اور مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ حضرت نے فرمایا روحوں کے لشکر ہیں جھنڈ کے جھنڈ سو جو ان میں سے ازل میں آشنا اور واقف تھا وہ اس عالم میں ملا اور الفت والا ہوا اور جو ان میں سے وہاں نا آشنا اور بے پہچان تھا وہ یہاں بھی جدا اور بھٹکا رہیگا۔

آیت ہائے بالا اور حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ تمام روحیں ایک وقت پیدا کی گئیں جن سے بوقت میثاق جواب لیا گیا۔

ارتقائے روحی و مادی کے لیے دنیا میں بار بار آنے کی ضرورت

وہ ارواح اس دنیا کی مناسبت سے اپنی تعلیم اور ترقی کی منزلیں طے کرتے کرتے اس درجہ پر پہنچی ہیں۔ گویا دنیا دار العلوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو مسافر مدت معین کے لیے اس دنیا میں وارد ہوتے ہیں۔ اس دار العلوم کی شاگردی کی حیثیت اختیار کرتے ہیں اور زمانہ قیام میں جو سبق حاصل کیا ہو جب اپنے وطن کی طرف لوٹتے ہیں وہاں چندے اس سبق کو دہرا کر ازبر کرکے مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے پھر سفر دنیا اختیار کرنا پڑتا ہے گویا یہ سلسلہ دار العلوم کی تکمیل تک جاری رہتا ہے اسکی نسبت خدا تعالیٰ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ۝ سورہ انشقاق

اے آدم زاد تو اسی طرح گھسٹ گھسٹ کر اپنے پروردگار کی طرف چلا جا رہا ہے پھر تو اس سے جا ملیگا

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۙ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۙ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۙ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ؕ
(۳) وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ ۱۴ : ۷۱ — عم سورہ انشقاق

ہم کو شفق کی قسم ہے اور رات کی اور جن چیزوں پر رات چھا جاتی ہے اُنکی اور چاند کی جب پورا ہو کہ تم لوگ ضرور بدرجہ منزل ہستی کو طے کرو گے حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا۔

اس کے دو آیتوں کے بعد پھر فرماتا ہے:-

وَاللّٰہُ اَنْۢبَتَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ یُعِیْدُکُمْ فِیْہَا وَیُخْرِجُکُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۱۸،۱۷ : ۷۱

اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اُگایا۔ پھر دوبارہ گاڑ دیگا تم کو اس میں اور نکالیگا تم کو باہر

اِن آیتوں سے ارتقائے روحی و مادی ہر دو ثابت ہیں۔ یہ حالت ایک زندگی میں نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس کے لیے ایک عرصۂ ممتد کی ضرورت ہے۔

خدا کا رحم اُس کے غضب سے فائق ہے

اب غور طلب مضمون ہے وہ یہ ہے کہ ارواح کو اسفل درجہ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کے لیے یا خود انسان کے قوائے بہیمی ارتقا پاکر قوائے ملکوتی سے مبدل ہونے کے لیے کیا سو پچاس سال کی زندگی کافی ہو سکتی ہے؟ جب ایسی حالت ہے تو ایک ایسا شخص ہے کہ ابھی ننھا بچہ پا رہا ہے اور سن تمیز کو پہنچنے کے قریب ہے وہ مر جائے اس کو اس وقت تک اس کا بھی موقع نہیں ملا کہ خدا کس کو کہتے ہیں۔ انسان کو خدا کی شناخت کے لیے کیا کرنا چاہیے اور بندگی کا انسان پر کیا حق ہے۔ ایسی حالت میں اس کے خیالات کے لحاظ سے جو وراثتاً اس کو ماں باپ کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے اور فرض کیا جائے کہ اس کے ماں باپ مشرک ہی تھے۔ ایسا شخص خدا کے پاس ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار پائے قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ خدا کے غضب سے اس کا رحم بہت بڑا ہے۔ خدائے رحیم و کریم اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرماتا ہے

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ ؕ ۵۳ : ۳۹

کہہ دو اے ہمارے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کیں ہیں۔ اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔

گر گناہ تو از عدد بیش است — سبقت رحمتی از آن بیش است

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے ایسا وجود دنیا میں کیوں ظاہر کیا جس سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا

اس کا دنیا میں آنا اور نہ آنا یکساں ہوا۔ نعوذ باللہ اس سے خدا کی نسبت فعل عبث منسوب کیا جا سکتا ہے جس سے اس کی ذات مبرا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کو ترقی حاصل کرنے کے لیئے ایک معتدبہ زمانہ کی اور بار بار اس دنیا میں آنے کی ضرورت ہے۔

تناسخ کی سچائی کی دلیل

جب خدا اپنی کتابوں اور نبیوں کے ذریعہ نیکی کی تعلیم اور بُرائی سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے تو یہ کیا بات ہے کہ بعض مولود جو ابھی کسی قدر شعور بھی حاصل نہیں کیے ہوئے ہوتے ہیں ان سے ایسے افعال فطرتاً سرزد ہوتے ہیں جو سراسر کلام خدا کی تعلیم اور نبیوں کی ہدایت کے خلاف دیکھے جاتے ہیں۔ جیسے۔ حرص۔ جھوٹ۔ تفنن۔ اتہام وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ یہ زمانہ معصومیت کا ہے۔ یہ مادہ ان میں کیسے آیا۔ کیا خدا بُرائی کی تعلیم دیکر دنیا میں بھیجتا ہے اور کیا کوئی سمجھدار آدمی اس کو قبول کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ پس اس سے بڑھکر تناسخ کی سچائی کی دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ یہ مادہ اس بچے نے اپنی گزشتہ تعلیم میں حاصل کیا تھا۔ جس کے نسبت خود خدا وند تعالےٰ اپنی پاک کتاب میں فرماتا ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۱۷:۸۴

کہو کہ ہر ایک اپنے طور پر عمل کرتا ہے پھر جو ٹھیک سیدھے رستہ پر ہے تمہارا پروردگار اس کو خوب جانتا ہے۔

لفظ شاکلہ کے معنی اور علماء کے خیالات

اس آیت میں شاکلہ کے معنی مترجم نے طور کیئے ہیں اگر میلان کے کیے ہوتے تو بہت ٹھیک ہوتا۔ کیونکہ اس کے قبل کی آیت میں خدائے تعالےٰ نے انسان کی خصلت کا ذکر فرمایا ہے۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۝ ۱۷:۸۲-۸۳-

ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں اُتارتے ہیں جو ایمان والوں کے لیے علاج اور رحمت ہیں اور نا فرمانوں کو تو اس سے اُلٹا نقصان ہی ہوتا ہے اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں اُلٹا ہم سے منہ پھیرتا اور

پہلو تہی کرتا ہے۔ جب اس کو کوئی تکلیف پہنچے
تو آس توڑ بیٹھتا ہے۔

اس کے بعد آیت زیر بحث میں فرماتا ہے کہ کہو ہر ایک کام کرتا ہے اپنی جبلت پر اور جو کچھ انسان کرتا ہے یا کریگا۔ اچھا یا برا قبل اس کے کہ وہ کرے خدا کو اس کا علم ہے اور خدا جانتا ہے کہ وہ یہ کریگا۔[لہ] لسان العرب میں لکھا ہے شاکلہ کے معنی ہیں طرف۔ طور۔ طریقہ اور انسان کی شاکلہ سے اس کی شکل طبیعت کا میلان۔ اخفش نے معنی کی ہے اپنی طبیعت کے میلان پر جس طرف ہو اور اپنی خلقت پر۔

تاج العروس شرح قاموس میں شاکلہ کی معنی شکل و صورت کے ہیں۔ شاکلہ میلان کی سمت اور جہت کو بھی کہتے ہیں۔ نیت کے بھی معنی ہیں۔ قتادہ نے آیت مذکور کی یہ معنی کی ہے کہ ہر شخص اپنی طبیعت کے رخ اور نیت پر عمل کرتا ہے۔ شاکلہ کے ایک معنی طور اور طریقے کے بھی ہیں۔ ایک معنی شاکلہ کے مذہب اور خلقت کے بھی ہیں۔ ابن عرفہ نے اسی معنی پر آیت کی تفسیر کی ہے۔ راغب نے اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہر شخص اپنی سمجھ یعنی طبیعت پر عمل کرتا ہے جس کا وہ مقید ہو۔ سمجھ ہی انسان پر ایسا حاکم غالب ہو جو مکارم شریعت تک لے جانے میں وسیلہ ہو جاتا ہو اور یہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے مطابق ہے۔

كُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهٗ یعنی ہر شخص کو آسانی دی گئی ہے اُس کام کے لیے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے۔

محیط المحیط میں شاکلہ کے معنی ہیں۔ شکل طرف۔ گوشہ۔ راہ۔ نیت۔ طریقہ اور مذہب اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنی سمجھ یعنی طبیعت اور خلقت پر عمل کرتا ہے۔

لُغات القرآن مصنفہ علامہ محمد بن ابو بکر رازی میں علیٰ شاکلتہ کے معنی ہیں اپنے طریقہ اور میلان طبعی کے رُخ پر۔ اور بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں خلقت اور طبیعت پر اور پوری آیت سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے۔

امام محمد ابن عربی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر شخص اپنی شاکلہ پر عمل کرتا ہے یعنی اپنی خلقت اور

لہ۔ تفسیر القرآن مولوی سید احمد خاں جلد ششم صفحہ ۱۶۲۔ سورہ بنی اسرائیل۔

اور ملکہ پر جو اس کے مقام اور مرتبہ کے موافق اس پر غالب ہوتا ہے۔ پس جس کا مقام نفس ہے اور ملکہ وہ ہی جو نفس کے اقتضاد کے موافق ہے۔ وہ خدا سے منہ پھیرتا ہے اور نا امید ہوتا ہے اور جس کا مقام قلب ہے بلکہ نیک عادت ہے۔ وہ اس کے اقتضا کے موافق صبر و شکر کرتا ہے

معالم التنزیل میں علامہ بغوی نے لکھا ہے۔ آیۂ بالا کی تفسیر میں ابن عباس نے شاکلہ کے معنی لیے ہیں طبیعت کا میلان جس طرف ہو اور حسن بصری اور قتادہ نے نیت کے معنی لیے ہیں۔ مقاتل نے طور و طریق کے معنی قرار دیئے ہیں اور فرا نحوی نے وہ طریقہ مراد لیا ہے جس پر انسان مجبول ہو اور قتیبی نے طبیعت اور خلقت کے معنی بیان کیے ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں آیت مذکور کی تفسیر میں لکھا ہے۔ اے پیغمبر کہدے کہ ہر شخص ایسے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو ہدایت و گمراہی میں اس کے حال کے مشابہ ہو یا اس کے جوہر روح اور ان حالتکے موافق ہو جو اس کے مزاج بدنی کے تابع ہیں اور شاکلہ کی تفسیر میں طبیعت عادت اور مذہب کے معنی بھی لیے گئے ہیں۔

یہ آیت بہت موثق آیات کلام اللہ سے ہے۔ اسی کے سمجھنے پر انسان ہر ایک آلائش اور برائی سے بچ سکتا ہے اپنے خیالات کی اصلاح کر سکتا ہے۔ مقدر کے مفہوم کے سمجھنے میں آسانی ہو سکتی ہے دنیا کے ہر الجھاؤ سے نجات کا ذریعہ ہے۔

خلقت انسانی ناقص اور ناقابل اصلاح نہیں ہے یہ امر ظاہر ہے کہ خدا نے انسان کی خلقت کو ناکارہ اور ناقابل اصلاح نہیں بنایا جس کی تصدیق اس آیت سے ہو سکتی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت کا پیدا کیا

عہ سورۃ التین

قانون فطرت جبری قانون نہیں ہے لا آف یونیفارمٹی آف کاز اینڈ ایفکٹ یعنی قانون استقلال اسباب و نتائج ایک ایسا کلیہ ہے جو کسی حالت میں بھی موثر بالذات رہتا ہے۔ اسی پر موجودات عالم کے حرکات و سکنات کا دار و مدار ہے جو لا تبدیل لسنتہ اللہ کا مصداق ہے۔

اس کا اصل منشا یہ ہے کہ ہر واقعہ کا ایک سبب ہونا لازم ہے۔ کمزوریوں کے ہوتے ہوتے بھی انسان کی فطرت اپنی اصلیت میں صالح اور نیک رکھی گئی ہے۔ پھر طرح طرح کی آلائشیں گرد و پیش کے

واقعات دنیا کی مصروفیتیں نیکی کو دبا تی اور برائی کے پردۂ تاریک سے ڈھانک دیتے ہیں۔ اب سمجھنے کے قابل جو بات ہے وہ قانون فطرت کے متعلق ہے۔ قانون فطرت ایسا جبریہ اور غیر اٹل قانون نہیں ہے۔ بلکہ قانون استقلال اسباب و نتائج کے تحت کام کرتا ہے۔ فطرت کا منشا یہ نہیں ہے کہ لازمی طور پر یونہی ہونا چاہیے۔ بلکہ فطرت خاص شرائط بتلاتی ہے جب اس مطابق ظہور ہوگا اس کا لازمی نتیجہ ضرور یوں ہوگا۔ اگر اس نتیجہ سے تم اپنے کو بچانا چاہو تو حالات کو بدل دو پھر نتیجہ بھی متغایر ہوگا۔ اس کے لیے اگر تم اپنے آپ کو جاہل اور وحشی بنائے رکھوگے تو تم فطرت کی منفرد طاقتوں کے رحم پر رہوگے۔ اگر سمجھ اور عقل سے کام لوگے تو اپنے کاروبار کے تم مالک ہو۔ ایک حد تک اپنے کاروبار کرنے کی قدرت رکھتے ہو تو وہی فطرت تمہاری خدمت گذاری پر آمادہ ہو جائے گی۔ قانون فطرت سے اگر کام لیا جائیگا تو وہ جبری طاقت نہیں ہے بلکہ وہ امدادی طاقت ہو جائے گی۔

عادت کا اثر | البتہ ایک بات کا اظہار اس موقع پر ضروری ہے۔ عادت کی وجہ سے روح اور مادہ میں جو اثر ہو جاتا ہے اس کا ازالہ سہل نہیں ہے۔ طبیعت کا رجحان ایک مدت مدید تک اس کو اسی طرف باربار رجوع کریگا۔ اور انسان کو نہایت درجہ اس رجحان پر مجبور ہونا پڑیگا۔ یہ اثر ایسا زبردست ہے کہ اس سے ایک زمانہ تک چھٹکارا ملنا مشکل ہے۔

سائینس کہتا ہے کہ اگر ایک صیقل شدہ فولاد پر ایک چنے کا دانہ چپکا دیا جائے اس کے سوکھنے کے بعد نکال دیا جائے تو جو دھبہ اس فولاد پر نمایاں ہوگا وہ اس فولاد کے زیریں تک پہنچیگا۔ اگر اس فولاد کو تراشتے چلے جائیں تو وہ دھبہ نمایاں ہوتا ہی چلا جائیگا۔ اسی کے نسبت امام غزالی اپنی تصنیف مضمون ہ علیٰ غیر اہلہٖ میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے چوری کی تو اس فعل کے ارتکاب کے ساتھ ہی اس پر دناءت کا اثر طاری ہو گیا۔ اب وہ گرفتار ہو یا نہ ہو اس کو سزا دی جائے یا نہ دیجائے۔ لیکن اس کا نفس داغدار ہو چکا۔ اور یہ دھبہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ مگر یہ فقرہ "یہ دھبہ مٹائے نہیں مٹ سکتا" قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہی خیال کیا جائے تو خدائے رحیم و کریم کا فرمان لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ پر مشکل بھروسہ ہوسکتا ہے۔ اور اس سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ مادہ اور روح داغدار ہو گئے تو اس انتظام میں کیا خوبی ہے۔ خدائے رحیم و کریم کا

مادہ اور روح کو اس طرح داغدار بنا کر چھوڑ دینے سے کیا منشا ہو سکتا ہو۔ البتہ یہ انتظام سمجھ میں آسکتا ہے کہ جیسے انسان نے اپنی جہالت نادانی اور بے سمجھی سے ایک داغ پیدا کر لیا ہے اس کے مٹنے کے لیے مہلت اور موقعہ دیا جائے۔ یہ انتظام کی شائستگی ہے اور تناسخ اسی امر کا مدعی ہے۔ پس جو شخص اس مضمون پر حاوی ہو جائیگا اور اس کو سمجھ لیگا تو امید ہے کہ عادت ہوتے ہوتے وہ داغ بالکل مٹ جائے اور پھر طبیعت میں وہ رجحان باقی نہ رہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو خدائے رحیم و کریم کا نبیوں اور رسولوں کو بھیجنا اور مخلوق کو خدا کا خیال دلانا برائی سے بچنے کی ہدایت اور نیکیوں کی ترغیب دینا سب بیکار جاتا ہو اور پھر جب خداوند تعالیٰ ہر شخص کے مقدر بلا استحقاق خود مقرر فرماتا ہو تو یہ نا ممکن ہو کہ مخلوق خدا کے بنائے ہوئے انتظام میں کچھ کر سکے۔ اس کو وہی کرنا پڑیگا جو خداوند تعالیٰ شانہ نے مقرر کر دیا ہو جب ایسا ہے تو اس مخلوق کو اس کے افعال پر سزا و جزا دینا صریح نا انصافی ہے۔

عشق ار چہ بلاست آں بلا حکم خداست | بر حکم خدا ملامت خلق چراست
چوں نیک و بد خلق بتقدیر خداست | پس روز پسیں حساب بر بندہ چراست

آیت شاکلہ کی نسبت مولوی سر سید احمد خاں کی رائے

سر سید احمد خاں جو اپنے زمانہ کے فاضلترین افراد میں داخل ہیں جن کے خیالات بہت وسیع تھے۔ ان کے خیالات بھی آیت مذکورہ کے نسبت بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک انسان ایک جبلت یا فطرت پر پیدا ہوا ہو جس کو انگریزی زبان میں نیچر کہتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو جبلت یا فطرت یا خلقت خدا نے جس انسان کی پیدا کی ہے اسی کے مطابق عمل کرتا ہو۔ اس بیان سے یہ سمجھنا چاہیے کہ ایسی حالت میں وہ پتلا اس بات پر مجبور ہوتا ہو کہ خواہ مخواہ وہی کرے یا وہی کریگا جو اس علت العلل کے علم میں ہو اور اس کے برخلاف کرنا نا ممکن ہو۔ کیونکہ یہ بات کہ وہ پتلا کیا کیا کریگا ایک جدا امر ہے اور اس بات کا علم کہ وہ یہ یہ کریگا ایک جدا امر ہے۔ اس کے علم سے اس پتلے کی مجبوری اس کے افعال میں لازم نہیں آتی اس کی مثال اس سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ فرض کرو ایک نجومی ایسا کامل ہے جو کچھ آیندہ کے احکام بتاتا ہے۔ اس میں سر مو فرق نہیں ہوتا۔ اب اس نے ایک شخص کے

نسبت بتلایا کہ وہ ڈوب کر مریگا۔ اس کا ڈوب کر مرنا تو ضرور ہی اس لیے کہ نجومی کا علم واقعی ہی
مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نجومی نے اس شخص کو ڈوبنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پس جو علم الٰہی
میں ہی یا یوں کہو کہ جو تقدیر میں ہی وہ ہوگا تو ضرور مگر اس کے کرنے پر خدا کی طرف سے مجبوری
نہیں ہی۔ بلکہ خدا کے علم کو امر کے جاننے میں یا تقدیر کو اس کے ہونے میں مجبوری ہی۔

یہ جو کچھ سید صاحب نے فرمایا ہی عین دعوی کا اعادہ ہی دلیل نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ
نکلا کہ انسان کا پتلا بھی ایک مشینری کی حیثیت رکھتا ہی اور مشینری کے پرزے جن اغراض کے لیے
بنائے جاتے ہیں وہ مشینری انھیں اغراض کو پورا کریگی۔ یہ چاہیں کہ ان پرزوں سے غیر متعلق
کام لیا جائے ناممکن ہی۔ انسان کے اعمال و افعال کے لیے اعضاء دیے گئے ہیں۔ ان اعضاء سے
وہی افعال سرزد ہوں گے جس کے لیے وہ بنائے گئے ہیں۔ ہزار نبیوں اور رسولوں کو ہدایت
کے لیے مقرر کیا جائے ان اعضا کے افعال میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

کلام اللہ کی تعلیم جبری نہیں ہی۔ کلام اللہ کی تعلیم ایسی نہیں ہی۔ اسی بنا پر خدائے تعالی اپنی پاک
کتاب میں ارشاد فرماتا ہی۔

(۱) وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰکُمْ بِقُوَّۃٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا ٭ وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِکُفْرِهِمْ ؕ ۲ : ۹۳

جب ہم نے تم سے پکا قول لیا اور طور کو اٹھا کر تمہارے اوپر لٹکایا (اور کہا) جو ہم نے تم کو دی ہی اس کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور سنو ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے سُنا تو صحیح ولیکن تسلیم نہیں کرتے اور ان کی کفر کی وجہ سے بچھڑا ان کے دل میں سرایت کر گیا ہی

(۲) وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا کَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ۝ ۶ : ۲۷ و ۲۸

(۲) کاش تم ان کو ایسی حالت میں دیکھو کہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں اور لگیں کہنے اے کاش ہم واپس بھیج دیے جاتے (اور) اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہوں۔ بلکہ جس بے ایمانی کو

پہلے چھپاتے تھے ان کے آگے آئی اور اس کو دیکھ کر لگے حسرت (کرنے)، اگر واپس بھیجے جائیں تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں اور کچھ شک نہیں یہ جھوٹے ہیں۔

(۳) وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ○ إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ○ ٦ : ٣٥ و ٣٦

(۳) اور اگر ان کی سرکشی تم پر گراں گذرتی ہے اور تم سے ہو سکے کہ زمین کے اندر سرنگ تلاش (کرو) یا آسمان میں کوئی سیڑھی اور کوئی معجزہ ان کو لا دکھاؤ اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان کو راہ راست پر متفق کر دیتا تو دیکھو کہیں تم نادانوں میں ہو جاؤ (تمہارا سمجھانا) وہی مانتے ہیں جو سنتے ہیں اور (یہ) مردے (ہیں) ان کو خدا اُٹھائیگا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائینگے۔

(۴) وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ ۗ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○

٦ : ٣٨

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں (ان کی مثال ایسی ہی جیسے) اندھیرے میں گونگے اور بہرے۔ خدا جسے چاہے گمراہ کردے۔ اور جسے چاہے اسے راہ راست پر لگائے۔

(۵) إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ○ وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ○ ٨-۵ : ٢٢ و ٢٣

اللہ کے نزدیک بدترین حیوانات (یہ کافر ہیں) بہرے۔ گونگے۔ جو نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا۔ لیکن اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے یہ لوگ منہ پھیر پھیر اُلٹے بھاگتے۔

(۶) رَبَّنَآ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ ۞ ۳۲ : ۱۲

اے ہمارے پروردگار تو اگر پھر (دنیا میں) بھیج کہ ہم نیک عمل کریں (اب) ہم کو (عاقبت) کا یقین ہے۔

(۷) وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ ۴۲ : ۳۰

اور جو پڑے تم پر سختی سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتوں نے۔

(۸) وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۞ ۳۷ : ۹۶

اللہ نے بنایا تم کو اور تم جو بناتے ہو۔

(۹) وَكُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىۡ عُنُقِهٖ ۱۷ : ۱۳

اور ہم نے ہر آدمی کی برائی بھلائی کو اس کے ساتھ لازم کرکے اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔

(۱۰) اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ ۱۳ : ۱۱

جو (نعمت) کسی قوم کو حاصل ہو جبتک وہ ذاتی صلاحیت کو نہ بدلے خدائے تعالیٰ اس میں کسی طرح کا تغیر نہیں کیا کرتا۔

اگر آیات متذکرہ بالا پر غور کیا جائے تو اس سے یہہ پتا چلتا ہے کہ انسان پر جو کچھ بلیات وغیرہ وارد ہوئے ہیں وہ اسی کے اعمال کے صلہ میں ہیں آیت ۷، ۱۰ خصوصیت کے ساتھ اس کی تصریح کرتے ہیں۔

ہرچہ برتو آید از ظلمات و غم	آں ز بیباکی و گستاخیست ہم
ابر ناید از پے منع زکواۃ	وز زنا افتد وبا اندر جہات

آیت نشان میں خدا کا یہہ فرمان واُشۡرِبُوۡا فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡعِجۡلَ بِكُفۡرِهِمۡ یہہ کونسا کفر ہے۔ کیا یہ وہ کفر نہیں ہے جو قبطیوں کی ہمسائیگی میں انھوں نے زمانہ ممتد تک گائے کی پرستش کی تھی۔ کیا یہ وہی رجحان نہ تھا جو بار بار عود کرتا رہا ہے اور آخر میں بچھڑے کی شکل میں ظہور پایا۔ اور خدا نے ان کے اعمال کی سزا میں ان کے سزا دینے کے لیے کیا یہ مادہ ودیعت نہیں کیا تھا۔ اس کے سوا کچھ مطلب نہیں ہو سکتا آیت نشان میں خدا فرماتا ہے کہ اگر یہہ دنیا میں بھیجے جائیں تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں اور کچھ شک نہیں یہ جھوٹے ہیں۔ خدا کا یہ فرمان غلط تو نہیں ہو سکتا کہ پھر وہ ویسا نہ کریں جب وے دنیا میں بھیجے جائیں تو لامحالہ خدا اُن کے مقدر اور خلقت میں ویسا ہی عمل جاری

کرنا پڑیگا جو انھوں نے کسب کیا ہی اور جو آیت شاکلہ سے ظاہر ہی۔ آیت نشان ۴۸ وہ بہت صاف ہیں۔ جس سے معاملہ مذکورہ سے پردہ اٹھ جاتا ہی۔ یعنی جب خدا ابتداً انسان کو پیدا کرتا ہی۔ جیسا کہ عموماً مسلمانوں کا عقیدہ ہی اور ان کے مقدر بھی ان کے گلے میں باندھ دیتا ہے۔ جیسا کہ آیت نشان ۵ سے ثابت ہی تو خدا کا آیت نشان ۳ میں یہ فرمانا اگر اسد ان میں بہتری پاتا تو ان کو سننے کی قابلیت بھی عطا فرماتا اگر خدا ان کو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدیہی بات ہے یہ لوگ منہ پھیر پھیر الٹے بھاگتے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان لوگوں سے خدا کو بغض نہیں ہو گیا تھا جو ان کو گمراہی میں ڈال کر ہزاروں مصیبتوں میں پھنسا کر ان کی دین و دنیا خراب کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرلے اور جبتک زمین و آسمان قائم ہیں ان کے گلے میں لعنت کا طوق پہنا دے۔ تمام خیالات محض غلط اور قابل مضحکہ ہیں۔ خدا کو کسی سے جو اپنا ہی مخلوق ہو کیسا بغض و عناد اور دوسرے سے کیسی محبت آیت نشان ۷، ۱۰ اس ہمارے بیان کی پوری شہادت دیتے ہیں اور آیت نشان ۹ اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔ تمہارے اعمال کی بنیاد پر تم جس قابل تھے اسی لحاظ سے ہم نے تم کو اور تمہارے اعمال کو بنایا ہے۔

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۵۳ : ۳۹ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا۔

مگر یہ قانون اٹل نہیں ہے۔ اگر تم معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور انتظام دنیا کو سمجھو اور اپنی اصلاح کے درپے ہو جس کی پوری تفصیل آیت نشان ۱۰ سے فرمادی ہی۔ یہی حال قسمت کا ہے جو عقل اور سمجھ سے کام لیتا ہے وہ ناامید نہیں ہوسکتا۔

تا نزاید بخت تو فرزند تو   خوں نگردد شیر شیریں خوش شنو

آیت مذکورہ میں شاکلہ کے یہی معنی ہی اس کا مفہوم یونہی ہے تمہارے پچھلے اعمال نے تم کو بری طرح سے جکڑ دیا ہی اور تمہارے نفس میں وہ آلائش بھری ہوئی ہی تو یہ کیسے ممکن ہی کہ تم نیک بنو اور برائی نہ کروگے۔ جبتک تم اصلاح کے درپے نہ ہوگے۔ تمہارے نفس کی آلائش پاک نہ ہوگی۔ خدا نے انسان کو ناقص نہیں بنایا۔ جس کی تصدیق اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۞ آیت، سورۃ الشمس۔ اور انسان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اس کو (اینا) درست بنایا۔

اور پھر اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے:۔
فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۵ الشمس — پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری اس کو سمجھا دی۔
اس سورہ کے ماقبل چھ آیتیں انسان کی مادی ضروریات اور فوائد کے بیان کرنے کے بعد اس کے روحی فوائد سے اسے محروم نہیں فرمایا۔ روحی فوائد اور اس کی صلاحیت کی تفصیل اور برائی اور بھلائی کے نتیجے سے اس کو نویں اور دسویں آیت میں متنبہ فرما دیا۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۵ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا — جس نے اپنی روح کو پاک کیا وہ مراد کو پہنچا جس نے اس کو دبا دیا نامراد رہا۔

اور پھر سورۃ البلد میں ارشاد فرماتا ہے:
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۵ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۵ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۵ — کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے اور اس کو نیکی اور بدی کے دونوں رستے (بھی) دکھا دیئے۔
خدائے تعالیٰ نے انسان کے ساتھ پورا پورا احسان کیا۔ ہم کو عقل اور تمیز دی۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ بھلائی کا راستہ اختیار کریں۔ ہم جو راستہ اختیار کریں گے۔ خدائے تعالیٰ اس راستے کی رہنمائی فرمائیگا۔ اگر جنت میں رہنا چاہیں تو جنت میں بسنے کے قابل سب اسباب فراہم کریگا اگر جہنم میں ٹھکانا بنانا چاہیں تو اس کے اسباب بھی فراہم کر دینے میں اس کو تامل نہیں کیونکہ آیت نشان زدہ اس کی تفصیل فرما چکا ہے۔
خدائے تعالیٰ نے انسان کو نہ صرف ایک شرعی رسالت سے مدد فرمائی ہے۔ بلکہ عقلی رسالت سے بھی مزین فرمایا ہے۔
اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۵ ۲۹-۷۶ — یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف راستہ اختیار کر لے۔ (آیت بالا سے انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو راستہ چاہے اختیار کرے)
اصل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ علت العلل ہے۔ بلحاظ علت العلل کے ہر فعل کو اپنے طرف منسوب فرماتا ہے دیکھو ہم ہوائیں کیسے چلاتے ہیں۔ پانی آسمان سے کیسے برساتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
اور پھر سورۃ واللیل کی یہ آیتیں۔

اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی ۝۔

کہ بیشک تم لوگوں کی کوشش البتہ مختلف ہی تو جس نے دیا اور پرہیزگاری کا شیوہ اختیار کیا اور اچھی بات کو سچ سمجھا تو ہم آسانی کی جگہہ اس کے لیے آسان کردیں گے اور جس نے دینے میں مضائقہ کیا اور پرواہ نہ کی اور عمدہ بات کو جھوٹ جانا تو ہم مشکل کی جگہ آسان کردینگے

اسی بنیاد پر خدا تعالیٰ پھر سورہ نسا میں تاکید فرماتا ہے۔

مَا اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ وَمَا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَۃٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ط

تجھ کو کوئی فائدہ پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر نقصان پہنچے تیرے نفس کی طرف سے ہی

اسی علت العلل کی حیثیت سے یہ جملہ بھی ہی۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ۔۔۔۳۰

اور بے مشیت الٰہی تم لوگ چاہ نہیں سکتے۔

کیونکہ آیت نشان ۰ انے اس کی پوری صراحت کردی ہی۔

یہ امر ظاہر ہی کہ خدا عالم کے ظاہر اور چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہی۔ یہ بھی جانتا ہی کہ انسان کی شاکلہ کس قسم کی ہی اس لیے انسان جو کچھ کرنا چاہتا ہے یا کریگا اس پر کھلا ہوا ہے۔ پس جس راستہ پر انسان چلنا چاہتا ہی یا چلیگا اس کو اس کا پورا پورا علم ہی لہذا ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ سے مشروط فرمادیا۔ مگر اس کے ایسے معنی کرنا جس سے اس کے ماقبل کی آیت میں تعارض پیدا ہو کسی ذی شعور کا کام نہیں۔

آیت "اللہ خلقکم وما تعملون" کے معنی آیت نشان ۰ میں خدائے تعالیٰ جو ارشاد فرماتا ہی اَللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ جس بنیاد پر حضرات صوفیا اپنے ہر فعل کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ بھی صحیح نہیں ہی اگرچہ خالق نیک و بد وہی علام الغیوب ہے مگر انسان جو کچھ کرتا ہے اس کا ایک نتیجہ مترتب ہوتا ہی۔ اس نتیجہ کے مطابق انسان سزا و جزا کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ وہ سزا و جزا پانے کے لیے وہی مسبب الاسباب اس کے اسباب پیدا کرتا ہے اس حیثیت سے اللہ خلقکم وما تعملون کا مطلب پورا پورا اترتا ہی نہ وہ جیسا کہ حضرات صوفیا کا خیال ہے۔ چنانچہ ہمارے اس بیان کی تصدیق

اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ ۱۷ ۔ ۱۶۔

اور جب ہم کو کسی گاؤں کا ہلاک کرنا منظور ہوتا ہے تو ہم اس کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانیاں کرچلتے ہیں۔ پھر وہ بستی حکم کی مستحق ہوجاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو مار کر تباہ کردیتے ہیں۔

انسان نے اپنی جہالت۔ سرکشی۔ نالیاقتی اور ناعاقبت اندیشی سے اپنے نفس میں وہ شیطنت پیدا کرلی۔ جس کی تلافی اس سے ہونا دشوار ہوگیا۔ اسی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے ان کو ہر طرح سے ڈرا کر دھمکا کر ترغیب و تحریص سے جہاں تک ممکن تھا۔ کام لیا۔ اگر انسان اسی جہالت میں پڑا رہا وہ اپنی تباہی کا گڑھا خود کھود رہا ہے۔ خدا اس بارہ میں کیا کرسکتا ہے۔ یہ سب ہماری سمجھ کا قصور ہے۔ کلام اللہ کے معنی علماء نے اپنے خیال کے مطابق کی ہے۔ جس کی وجہ سے بہت کچھ اختلاف پیدا ہوگئے ہیں۔ جو ظاہر معنی کیے گئے ہیں وہ ایسے ہیں۔ جس سے اصل مطلب پر پہونچنا دشوار ہوگیا ہے۔

انسان کی طبیعت کا میلان خود اُسی کا پیدا کیا ہوا ہوتا ہے

بہر حال مضمون بالا سے یہ پتہ چلا جو طبیعت کا میلان انسان میں ودیعت ہوا ہے یہ اُس کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جب اس کو اس کا علم ہوجائیگا۔ تو وہ ضرور اپنی قوت ارادی سے کام لیگا۔ جس سے اس کی۔ قلبی۔ نفسی اور جسمانی حالتیں انقلاب عظیم پیدا ہوجائیگا۔ اور پھر اس کو جہنم میں جانے کی نوبت نہ آئے گی

پس انسان کی طبیعت کسی خاص استحقاق کی بنا پر ہوتی ہے۔ بجز استحقاق کے کوئی خاص طبیعت دینا بعید از قیاس و عقل ہے اور یہ ناممکن ہے کہ خدا خصوصیت کے ساتھ کسی پر بے انتہا مہربان ہو اور کسی پر بے وجہ قہر و غضب کا اظہار فرمائے۔ اگر ایسا ہو تو یہ سمجھا جائیگا کہ کل عالم پر غیر منصف کا تصرف ہے جو انسان کے لیے بالکل بیکسی اور ناامیدی کی شکل ہے مگر خدائے رحیم و کریم ایسا نہیں ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۔ یہ سب ہماری سمجھ کا قصور ہے۔

این جہاں کوہ است فعل ما ندا ۔ سوئے ما آمد نداہا را صدا

گندم از گندم بروید جو ز جو — از مکافاتِ عمل غافل مشو

خدا کے محبوب و منتوب یہ لوگ ہیں جن کا اِن آیتوں میں ذکر ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۲ : ۶۲۔

بیشک مسلمان۔ یہودی اور عیسائی اور صابی ان میں سے جو لوگ اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے تو ان کو ان کا اجر ان کے پروردگار کے ہاں ملیگا اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے۔

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْھَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّکِئِیْنَ فِیْھَا عَلَی الْاَرَآئِکِ نِعْمَ الثَّوَابُ ط وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۱۸ : ۳۱

بیشک جو ایمان لائے اور کیں نیکیاں ہم نہیں کھوتے اجر اُن کا جنھوں نے نیک کام کیا یہی لوگ ہیں جن کے رہنے کے لیے ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ مہین اور دبیز ریشمی سبز کپڑے زیب تن کریں گے وہاں تختوں پر تکیہ لگائے ہونگے اچھا بدلہ ہے اور آسائش کی عمدہ جگہ ہے۔

(۳) مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا وَھُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَکُبَّتْ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ ط ھَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ۲۷ : ۹۰

جو شخص نیک عمل لیکر حاضر ہوگا تو اُس کو اس سے بہتر (بدلہ) ملیگا اور ایسے لوگ اس دن خوف سے امن میں ہونگے اور جو بُرے عمل لیکر آئینگے تو وہ اوندھے منہ دوزخ میں ڈھکیل دیے جائینگے (اور کہا جائیگا) تم کو اپنی عملوں کی سزا دیجا رہی ہے جو تم کرتے ہو۔

ان کے علاوہ اور آیتیں فٹ نوٹ میں لکھی گئی ہیں ملاحظہ ہو فٹ نوٹ صفحہ ۳۰ پرنشان

ان آیات کا عمل اس دنیا میں دیکھ لو۔ یہی دنیا جائے عمل ہے۔ یہی دنیا عقبیٰ کی حیثیت رکھتی ہے

(۱) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۳: ۱۱

جو لوگ منکر ہیں ان سے کہہ دو کہ کوئی دن جاتا ہے کہ تم مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔ اور کیا بری تیاری ہے۔

(۲) اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ۴: ۳۱

جن کاموں کے کرنے سے تم کو منع کیا جاتا ہے۔ اگر تم ان میں سے بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہوگے تو ہم تمہارے قصور تمہارے نامۂ اعمال سے محو کردیں گے۔ اور تم کو لیجا کر مقام عزت میں جگہ دینگے۔

(۳) فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ۙ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۱۱: ۱۰۵ و ۱۰۶

تو جو بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے وہاں ان کو چلانا اور دھاڑنا ہوگا۔ اور جب تک آسمان و زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہینگے۔ مگر جس کو تمہارا پروردگار چاہے۔

(۴) وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۱۱: ۱۰۷

اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو بہشت میں ہوں گے جبتک آسمان و زمین ہیں برابر اسی میں رہینگے۔ مگر جس کو خدا چاہے۔

(۵) فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۚ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۙ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ۱۹: ۸۴ و ۸۵ و ۸۶

تو تم ان پر عذاب کی جلدی نہ کرو ہم ان کے لیے بس دن گن رہے ہیں جبکہ ہم پرہیزگاروں کو خدائے رحمن کے حضور میں مہمانوں کی طرح جمع کریں گے اور گنہگاروں کو پیاسے داونٹوں کی طرح جہنم کی طرف ہانکینگے۔

(۶) وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور جس نے ہماری یاد سے روگردانی کی تو اس کی زندگی قلق میں گزرے گی اور ہم

بقیہ نوٹ صفحہ ۳۸ پر ملاحظہ ہو۔

یہاں سے جو کمائی کرکے لیجاتے ہیں وہاں سے اسی کے مطابق اپنے قوی لیکر آتے ہیں اور بموجب استحقاق انکو

اعمیٰ ۵ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰی وَ قَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا ۵ قَالَ کَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ج وَکَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ۵

۲۰: ۱۲۴ و ۱۲۵ و ۱۲۶۔

قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کرکے اٹھائینگے۔ (وہ) کہیگا اے میرے پروردگار تونے مجھ کو اندھا کیوں اٹھایا۔ میں تو دیکھتا بھالتا تھا فرمائیگا۔ ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں مگر تونے اُن کی کچھ خبر نہ لی اور اسی طرح آج تیری بھی خبر نہ لی جائے گی۔

(۷) اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ط وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۵ ۲۲: ۲۳

جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے اُن کو اللہ باغوں میں داخل کریگا۔ جن کے تلے نہریں بہتی ہونگی۔ وہاں اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی اور وہاں اُن کا لباس ریشمی ہوگا۔

(۸) اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤی لا اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لا لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ج وَهُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ج لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط هٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۵ ۲۱: ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳

بیشک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی لکھی جاچکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔ اس کی بھنک بھی اُن کے کانوں میں نہیں پڑیگی اور وہ اپنی من مانی مرادوں میں ہمیشہ رہینگے اور اُن کو بڑا بھاری خوف بھی پریشان نہیں کریگا اور فرشتے اُن کو ہاتھوں ہاتھ لینگے۔ اور کہینگے یہی تو وہ تمہارا دن ہے جسکا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا

(۹) جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ج وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۵ ۳۵: ۳۳

ہمیشہ رہنے کے باغ کہ یہ لوگ رہنے کے لیے ان میں داخل ہوں گے وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائینگے۔ اور وہاں ان کا لباس بھی ریشمی ہوگا

(۱۰) اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ط قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ط ۳۶: ۲۵

میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری سنو ارشاد ہوا کہ جنت میں جا داخل ہو۔

یہاں پھل ملتا ہے۔ محب نے کیا خوب رباعی اس کے متعلق کہی ہے۔

لاتے بھی ہیں اور ساتھ بھی لے جاتے ہیں لے جاتے ہیں اعمال تو لے لاتے ہیں
گر مال ہے اچھا تو یہاں سود بھی ہے ورنہ سربازار عزر پاتے ہیں

یہ بعینہ کلام اللہ کی اس آیت کا ترجمہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ﴿عم سورہ انفطار﴾

اے آدمی کاہے سے بہکا تو اپنے رب کریم پہ جس نے تجھ کو بنایا پھر تجھ کو ٹھیک کیا۔ پھر تجھ کو برابر کیا۔ جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ دیا

دنیا میں جو لوگ خدا کے محبوب اور پیارے اور نیز خدا کے معتوب و مردود نظر آتے ہیں وہ انھیں آیات کے مصداق ہیں۔

انسان کا مستقر کون مقام ہے۔

معلوم نہیں مسلمانوں میں جو خیال آخرت کا اس دنیا سے خارج میں پیدا ہوا ہے اور جنت و دوزخ اس زمین سے خارج ایک علیحدہ چیز قرار دی گئی ہے کس بنیاد پر ہے آیات کلام اللہ سے کچھ بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ ہمارے جد اعلیٰ آدم علیٰ نبینا علیہ السلام کے نسبت خدا نے فرمایا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۴ و ۲۵﴾۔

تم کو ایک وقت خاص تک زمین پر رہنا (ہوگا) اور سامان (زیست) بھی وہیں مہیا ہے۔ خدا نے پھر بھی فرمایا زمین ہی پر زندگی بسر کروگے۔ اور اسی میں مروگے اور اسی میں سے نکال کھڑے کیے جاؤگے۔

اور پھر دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا ﴿۷۷ و ۲۵ و ۲۶﴾

کیا ہم نے زمین کو جیتوں اور مردوں کی سمیٹنے والی نہیں بنایا۔

اور نیز دوسری آیتوں سے بھی اس کا پتہ نہیں چلتا۔ کہیں خدا نے فرمایا ہو کہ اس دنیا سے خارج کوئی خلافت ملے گی۔ چنانچہ فرماتا ہے۔

(۱) وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ط ۵ : ۶۶

اگر یہ توریت اور انجیل اور ان کو جو ان پر انکے پروردگار کی طرف سے اترے ہیں قائم رکھتے تو ضرور اوپر سے اور پاؤں کے تلے سے (رزق ابلتا) اور کھاتے۔

(۲) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ ۲۱ : ۱۰۵ و ۱۰۶

ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نیک بندے زمین کے وارث ہونگے جو لوگ خدا کی عبادت کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ ان کے لیے اس میں (بشارت) پہنچا دینا ہے۔

(۳) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

۲۴ : ۵۵

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کی خلافت ضرور عنایت کریگا جیسے اُن لوگوں کو عنایت کی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اُس کو ان کے لیے جما رکھیگا اور خوف جو ان کو ہے اس کے بعد ان کو بدلے میں امن دیگا کہ ہماری عبادت کیا کرینگے۔ کسی چیز کو ہمارا شریک نہ گردانینگے اور جو لوگ اس کے بعد ناشکری کرتے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

جنت ارضی کہاں ہے

جنت کی نسبت کلام اللہ نے کوئی تخصیص نہیں کی یعنی جنت کہاں ہے جیسے زمین کے باغات پر جنت کا اطلاق ہوا ہے ویسا ہی آخرت کے باغات پر۔ دونوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھا گیا۔ اب ہاں خلد و خلود اس پر بحث ہو سکتی ہے۔ خلد و خلود اصل میں دیر تک ثابت رہنے کو کہتے ہیں۔ چاہے یہ کیفیت دوامی ہو یا نہ ہو اس لیے چولھے کے پتھروں کو بھی خوالد یعنی ہمیشہ رہنے والے کہتے ہیں نظام نیشاپوری نے خلد کے معنی بقائے دوام کے ہونے یا نہونے کے متعلق یہ بھی تشریح کی ہے کہ

صرف معتزلہ نے خلد و خلود کی معنی بقائے دوام کے لیے ہیں۔ ورنہ اشاعرہ اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ اس کی معنی دیر تک ثابت رہنے کے ہیں۔

(غرائب القرآن و رغائب الفرقان النظام نیشاپوری علی ہامش جامع البیان۔ لابن الجریر الطبری جلد ۱ صفحہ ۱۹۳)

باایں ہمہ مفسرین اس ضمن میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ خلود کے معنی بقائے دوام نہ سہی مگر دراصل جنت میں بقائے دوام ہی ہوگا۔ اس تاویل کی ضرورت یہ تھی کہ جنت کا مفہوم باغ بہشت سمجھ لیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ جس کو بہشت نصیب ہوگی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نصیب ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے جنت کو باغ دنیا کے لیے استعمال کیا ہے اور خلود کے معنی بقائے دوام کے نہیں ہیں تو پھر ان تاویلات کی کیا حاجت ہے اور کیا ضرورت ہے کہ جنت کی نعمتوں کو روحی مانا جائے [1]

آیات کلام اللہ سے ثابت ہے کہ جنت و دوزخ پیدا ہو چکے ہیں اور موجود ہیں چنانچہ فرماتا ہے

(۱) فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۞ ۲ : ۲۴	پس اگر نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ اور وہ منکروں کے لیے تیار ہے۔
(۲) وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ ۳ : ۱۳۱	اور دوزخ سے ڈرتے رہو جو کافروں کے لیے تیار ہے۔
(۳) وَسَارِعُوْٓا إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ ۙ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ ۳ : ۱۳۲	اور اپنے پروردگار کی مغفرت اور جنت کی طرف لپکو جس کا پھیلاؤ اتنا ہے جیسے زمین و آسمان پھیلاؤ اور وہ اُن لوگوں کے لیے تیار کرائی گئی ہے جو پرہیزگار ہیں۔

اس مقام پر اس واقعہ کا ذکر بے موقعہ نہ ہوگا کہ ہرقل کے سفیر نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جب جنت کا پھیلاؤ اتنا وسیع ہے جیسے زمین و آسمان تو پھر دوزخ کہاں ہوگی

---

[1] خلاصہ کلام مولوی عبداللہ العمادی۔ مولف محاکمات جلد ...

توحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سبحان اللہ فاین اللیل اذا جاء النہار۔ یعنی وہ ذات پاک ہے۔ جب دن ہوتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے۔ اس سے خود پتہ چلتا ہے کہ جنت و دوزخ انسان کو گھیرے ہوئے ہیں۔

آیت ہائے بالا سے پتہ چلا کہ جنت و دوزخ موجود ہیں۔ ان کا وجود اس زمین سے خارج تو نہیں ہوسکتا۔ پس ہمکو اس زمین سے باہر جانے کی ضرورت نہیں۔

جغرافیائی حالت سے عرب ایک ایسا بے آب وگیاہ ملک ہے۔ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھا جائے ریگستان کے سوا کچھ نہ پائے۔ وہاں باغات و انہار شاذ و عنقا صفت۔ جن کے باغات اور ان میں انہار تھے۔ ان کی بڑی عزت و وقعت سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ کفار عرب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت اپنا تعجب ظاہر کرتے تھے جس کے نسبت قرآن شریف میں مذکور ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۙ

۱۷: ۹۰ و ۹۱

کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک ایمان لانیوالے ہیں نہیں کہ ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اُس کے بیچ بیچ میں تم نہریں جاری کر دکھاؤ۔

اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے ان کو نیک اعمال اور ایمان کے صلہ میں جنت کا وعدہ فرمایا جو عرب کے باہر جب اس قوم کے فتوحات ہونگے تو عمدہ عمدہ زینات کے یہ مالک ہونگے اور روم و شام و ایران وغیرہ کے متعلق پیشینگوئیاں ہوچکی تھیں۔ دراصل اتنی بات تھی جس کو زمانہ کے لوگوں نے زمین سے خارج ایک اور چیز قرار دیا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۚ ۵۵: ۴۶ اور جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے ہونیسے ڈر رہا ہو اُس کو دو باغ ملینگے)

اور پھر فرماتا ہے:۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ۚ ۵۵: ۶۲ ان دو کے علاوہ دو باغ (اور) ہونگے۔

اور پھر فرماتا ہے:۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيَانِ ع ۵۵: ۴۹ دونوں میں دو چشمے بہ رہے ہوں گے۔

اور پھر فرماتا ہے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ع ۵۵: ۶۵ ان دو میں دو چشمے ابل رہے ہونگے۔

اب یہ حدیث ملاحظہ ہو۔ عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیحون و جیحون والفرات والنیل کل من انہار الجنتہ [1]

اُن آیات اور اس حدیث کے ملاحظہ کے بعد ہر شخص ہمارے بیان مندرجہ بالا پر غور کر سکتا ہے کہ جنت اس زمین پر ہے یا اس سے خارج۔

مولف محکمات مجلد اول نے اس بارہ میں بہت جامع بحث کی ہے فرماتے ہیں " یہ ہیں وہ خلاف عقل تاویلات جو عموماً تفسیروں میں پائے جاتے ہیں جن کے لیے کوئی صحیح و مستند دلائل موجود نہیں ہیں ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے۔

لایشبہ شیئ مما فی الجنتہ ما فی الدنیا الا الاسماء [2] بہشت کی چیزوں میں سے کوئی چیز دنیا کی چیزوں میں سے اگر مشابہ ہوگی تو صرف نام مشابہ ہوگی

دوسری روایت میں ہے۔

لیس فی الدنیا مما فی للجنتہ الا الاسماء [3] بہشت کی چیزوں میں سے دنیا میں کچھ نہیں ہے اگر ہے تو نام ہی نام ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

لیس فی الدنیا من الجنتہ شیئ الا الاسماء [4] نام کے سوا دنیا میں بہشت کی کوئی چیز نہیں ہے

اور دوسری طرف بہشت کے تمام متعلقات کی اس کیفیت سے تشریح کی جاتی ہے کہ

---

[1] مسلم جلد ۲ باب ما فی الدنیا من انہار الجنتہ صفحہ ۳۵۱

[2] ابن جریر عن محمد ابن بشار قال حدثنا مومل قال حمیا حدثنی سفیان عن الاعمش عن ابن عباس الخ۔

[3] ابن بشار فی حدیثہ عن مومل۔

[4] ابن جریر عن عباس بن محمد قال حدثنا محمد بن عبید عن الاعمش عن ابن ظبیان عن ابن عباس الخ۔

گویا یہ نعمتیں ہمارے باغ کی مولیاں ہیں کہ اُن کے طول وعرض و حجم و رنگ و بو و مزہ محل و خاصیت کے متعلق کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ہم اس کے ہر ایک جزئیہ کو شرح و بسط سے بیان کر سکتے ہیں۔ آیات کلام اللہ جو جنت کے متعلق قرآن مجید میں بیان ہوئی ہیں ان کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ "ان تمام آیتوں میں جنت سے مراد باغ دنیا ہے آخرت نہیں۔ اگر اسی ضمن میں وہ آیتیں بھی شامل کر لی جائیں۔ جن میں حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے جنت میں داخل ہونے اور نکلنے کا تذکرہ ہے تو نظیروں کا شمار نہایت وسیع ہو جاتا ہے اس لیے کہ بعض نامور محققین نے حضرت آدم کی جنت کو بھی باغِ دنیا ہی قرار دیا ہے[1] باغ آخرت نہیں قرار دیا ہے۔ اسی معنی کے تسلیم کرتے ہیں خدا کے مطیع بندوں (مسلمانوں) کو آیت مذکورہ بالا میں جس جنت کی بشارت دی گئی ہے وہ ایمان دار اور نیک کردار ہونے کی شرط پہ دنیا میں بھی انھیں مل سکتی ہے۔ اگر چاہیں تو پکے مسلمان بنکر بہشت کی دلچسپیاں اسی ہندوستان میں اُٹھا سکتے ہیں۔ جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے یہ جنت نفسی کے متعلق تھا۔ کلام اللہ میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اسی جنت کی تعریف ہے۔

وَالَّذِينَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝ ۴ : ۵۷

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کرینگے جن کے تلے نہریں بہ رہی ہونگی ان میں (وہ) ہمیشہ ہمیشہ رہینگے ان میں ان کے لیے بی بیاں ہونگی۔ صاف ستھری اور ہم ان کو گھنی گھنی چھاوں میں لے جا کر رکھینگے

عرب کے ملک میں بجز ریگستان کے کچھ نہیں ہے اس زمین میں سایہ دار درخت نہیں ہوتا۔ عرب کو اس تابش آفتاب سے بچانیوالا کوئی سایہ نہیں اس لیے عرب کو سایہ بہت بڑی نعمت تھی اور وہ لوگ جب شام ایران مصر و یورپ کے ممالک میں پہنچے ان کو یہ جنتیں نصیب ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لیے دعا فرمایا تھا۔

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ ۱۴ : ۳۷

روزی دے ان کو میووں سے شاید وہ شکر کریں

[1] تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ و ۲۷۶

اس کے نسبت تفسیر انوار میں بیان کیا گیا ہی۔ میوہ جات سرما و گرما و بہار و خزاں مکہ معظمہ میں برابر دستیاب ہوتے ہیں۔ خدا نے بھی ابواب کلام اللہ میں بیان فرمایا ہی۔ چنانچہ ایک جگہہ بیان فرماتا ہی

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۱۳ : ۳۵

پرہیزگاروں سے جس باغ کا وعدہ کیا جارہا ہی اُس کا حال یہ ہی اس کے تلے نہریں بہ رہی ہونگی میوہ اور سایہ اس کا ہمیشہ ہے یہ ہی اُن لوگوں کا انجام جو پرہیزگاری کرتے رہے۔

اور ایک جگہ فرماتا ہے:

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ۳۵ : ۳۳

باغ ہیں بسنے کے جن میں جائینگے وہاں گہنا پہنا ویگا۔ اُن کو کنگن سونے کے اور موتی اور اُن کی پوشاک وہاں ریشمی ہی۔

عین المعانی میں بیان کیا گیا ہے کہ کنگن طلائی اور موتی شاہان عرب کا خاص زیور تھا جیسے تاج شاہانِ عجم کے لیے۔

یہ جملہ ابواب ایسے تھے جن کی زمین کی حلاوت کے لیے ضرورت تھی اور جس کے عرب متمنی تھے۔ اس کو خدا نے ترغیب و تحریص کے لیے بیان فرمایا۔ اس کو ہم زمین سے خارج ہیں قرار دینے کا نتیجہ ہے جس سے دشواریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور تاویلات کی ضرورت۔

اس مقام پر اگر ہم جان ولیم ڈریپر۔ یم۔ ڈی۔ یل یل۔ ڈی کے کتاب کنفلکٹ بٹوین ریلجن اینڈ سائنس کے خیالات کا ذکر کریں تو نامناسب نہ ہوگا۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۱ میں تحریر کرتے ہیں:۔

"خلفائے اندلس جملہ مشرقی تکلفات میں جو لازمۂ زندگی تھا گھرے ہوئے تھے۔ عالیشان عمارات ہوش ربا باغات رکھتے تھے ان کے محلات میں خوبصورت عورتوں کا جمگھٹا تھا۔ یورپ موجودہ زمانہ میں بھی وہ خوش سلیقگی۔ نفاست۔ شانداری کا نمونہ ظاہر نہیں کر سکا جو اس زمانہ کے اندلس کے عربی پائے تخت میں نمایاں تھا۔ اس کی سڑکیں پٹی ہوئیں اور روشنی سے منور تھیں۔ مکانات

کی دیواریں روغن سے مزین تھیں اور زرین قالینوں سے آراستہ ان کے مکانات موسم سرما میں آگ سے گرم رہتے تھے اور موسم گرما میں خنک ہوا پھولوں کے تختوں سے بذریعہ ملہلے زمین دوز معطر ہوتی تھی ۔ ان کے پاس ۔ حمام ۔ کتب خانے ۔ کھانے کے کمرہ وغیرہ اور پانی کے فوارے جاری تھے ۔ خاص شہر اور دیہات میں خوب چہل پہل رہتی تھی ۔ ناچ اور گانا ہوتا تھا ۔ ان کی مجلسیں ان کے شمالی ہمسایوں کی شراب کی بدمستی کے عوض بہت سادہ اور بدمستی سے دور تھے ۔ کیونکہ شراب ممنوعات مذہبی سے تھی ۔ اندلوسیہ کی جادو بھری چاندنی راتوں میں مسلمان علیحدہ مقامات پر آراستہ و پیراستہ باغات میں ۔ یا لیموں کے جھنڈوں میں گزارتے تھے اور وہاں یا تو فلسفانہ تقریریں ہوتی تھیں یا داستان سنے جاتے تھے دسویں صدی عیسوی میں خلیفہ حاکم ثانی نے خوب صورت اندلوسیہ کو دنیا کا بہشت بنا دیا تھا ۔

کلام اللہ و احادیث سے جنت کا جو پتہ چلتا ہے وہ یہی جنت ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو پیغام دیا تھا کہ شام کے ملک کو چلو وہاں شہد اور دودھ کی نہریں بہتی ہیں حالانکہ شام میں نہ دودھ کی نہر ہے اور نہ شہد کی ۔ اس سے غایت صرف افراط ہے ۔ اور یہ زبان کے محاورات ہیں ۔ انھیں کو استعارات کہتے ہیں ۔ اگر ان الفاظ کے لفظی معنے کی جائے تو عبارت مہمل ہو جاتی ہے ۔ یہ جنت انھیں لوگوں کے ساتھ مخصوص نہیں تھی ۔ بلکہ ہمیشہ ہمیشہ ایسے لوگوں کو خواہ وہ کسی مذہب کے پابند ہوں اگر ایماندار اور متقی ہونگے خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ایسے باغات جس میں نہریں بہتی ہونگی ۔ نصیب کریگا ۔ خدا کا فضل محدود نہیں ہے ۔

روحی جنت | اب رہی سورۃ النجم کی یہ آیت ۔

وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۙ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّۃُ الْمَاْوٰی ۝

اس کو اس نے دیکھا ہے ۔ ایک دوسرے اتارے میں پرلے حد کی بیری پاس اس کے پاس ہے بہشت رہنے کی ۔

۵۳ : ۱۳ و ۱۴ - ۱۵ -

اس میں جس بہشت کا ذکر ہے وہ مقام وحدت کا ہے اور وحدت ایسا مقام ہے کہ یہاں کسی قسم کے جسم کے ٹھیرنے کی قابلیت نہیں ہوتی ۔ یہ بالکل فنائیت کا درجہ ہے یہاں وہی قدسی صفات ٹھیر سکتے ہیں جن کے نفس بالکل پاک ہوتے ہیں ۔ یہ مقام ہر شخص کے

ٹھہرنے کا نہیں ہے۔ اور یہ بھی اسی دنیوی زندگی کی حیثیت سے اسی مادی جسم میں استحقاق ہوگا
اور یہی ارواح مقدس اس دنیا میں بھی موجود رہینگے اور مقام مذکور میں بھی ان کا مقام ہوگا
ان روحوں کا بعد ان کے وصال کے اصلی مسکن و مستقر تو اسی زمین ہوگا مگر ان کو ہر مقام پر
ٹھہرنے کی آزادی رہیگی اور یہ جو خدائے تعالیٰ نے جنتیوں کو اپنے دیدار کی لذت مزید کا
استحقاق بخشا ہے وہ اسی مادی جسم کی حیثیت سے ہے۔ یہیں سے ان کو خدا کا دیدار ہوگا۔
اور وہ اس سے پورا پورا حظ اُٹھائینگے۔ اگر روح کو خاص اُسی جنت میں دیدار ہوگا تو دیکھنے والا
کون ہوگا اور دیکھا ہوا کون ہوگا۔ اس کو وصال نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ شرک ہوگا۔ ان قدسی
صفات کو باغوں۔ نہروں۔ پھلوں۔ دودھ اور شہد سے کیا مناسبت۔ وہ روحی سرور
میں مست رہینگے۔ یہی اُن کی جنت ہے اور یہی نفوس قدسی ہیں جن کے نسبت خدا نے سورہ
والصٰفٰت میں فرمایا ہے۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ۙ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۵۸:۳۷ و ۵۹ — کیا اب ہم کو نہیں مرنا مگر جو پہلی بار مر چکے اور ہم کو تکلیف نہیں پہنچنی

یا سورۂ دخان میں یہ فرمان۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ج ۴۴: ۵۶۔ — نہ چکھینگے وہاں مرنا مگر جو پہلے مر چکے۔

ان ارواح قدسی نفوس کا دنیا میں آنا اب اُن کی خوشی پر منحصر ہے۔

خداوند تعالیٰ کی رحیمی و کریمی اور عدل کی تصدیق آیتہائے ذیل سے ہوتی ہے جو خدائی کی
شان کے شایاں ہے نہ کہ خصوصیت کا برتاؤ کرے۔

(۱) وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۳: ۲۴ — اور ہر چیز کو جیسا اُس نے کیا ہے پورا بھر دیا جائیگا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

(۲) كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝ ۲۱:۵۲ — ہر شخص اپنے عمل کے بدلے گروی ہے۔

(۳) وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ ۳۹:۵۳ — اور یہ کہ انسان کو اتنا ہی ملیگا جتنا اس نے کوشش کی

وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی ۵۳ : ۳۹۔ کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش آگے چلکر دیکھی جائے گی۔

ان کے علاوہ اور آیتیں فٹ نوٹ میں دی گئی ہیں۔

(۱) وَمَنْ یَّغْلُلْ یَاْتِ بِمَا غَلَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۳ : ۱۶۰

اور جو خیانت کا مرتکب ہوگا تو جو چیز خیانت کی ہو قیامت کے دن اس کو حاضر کرنی ہوگی۔ پھر جس نے جیسا کیا ہے اُس کو پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔

(۲) وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا اکْتَسَبْنَ ۴ : ۳۲۔

اور خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر جو برتری دے رکھی ہو اس کا کچھ ارمان نہ کرو۔ مردوں نے جیسے عمل کیے ہوں ان کو ان کا حصہ اور عورتوں نے جیسے عمل کیے ہوں ان کو ان کا حصہ۔

(۳) وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا ۷ : ۵۸۔

اور جو بستی عمدہ ہو اس کے پروردگار کے حکم سے اس کی پیداوار عمدہ نکلتی ہے۔ اور جو ناقص ہے پیداوار بھی ناقص ہی ہوتی ہے۔

(۴) وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ۶ : ۱۶۶۔

اور وہی ہے جس نے زمین میں تم کو نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فوقیت دی تاکہ جو نعمتیں تم کو دی ہیں ان میں تمہاری آزمایش کرے۔

(۵) وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُھُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ وَقَطَّعْنٰھُمْ فِی الْاَرْضِ

اور جب تمہارے پروردگار نے جتا دیا تھا کہ وہ ضرور ان پر روز قیامت تک ایسے حاکم مسلط کرےگا جو ان کو بُری تکلیفیں پہنچاتے رہینگے۔ بیشک تمہارا پروردگار سزا بھی بہت جلد دیتا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا

آیات مذکورۂ بالا کی عجیب وغریب انسانی حالات سے تطبیق کی جائے تو یہہ انتظام عالم پکارا ہوا گواہی دیتا ہی کہ یہ سب انسانی تباہی و بربادی خوش حالی و اقبالمندی کسی کارگزاری کے صلہ میں ہی اور یہہ انتظام کسی خاص قانون کا پابند ہی۔ نہ یہ کہ خدا کی جبریہ تجاویز ہیں۔ اگر تناسخ

أُمَمًا مِنْهُمُ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَٰلِكَ وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ ۷ : ۱۶۷ و ۱۶۸

مہربان بھی ہی اور ہم نے بنی اسرائیل کو گروہ گروہ کرکے ملک میں پراگندہ کر دیا۔ ان میں بعض تو نیک تھے اور بعض نیک نہیں تھے اور ہم نے ان کو سکھ اور دکھ سے آزمایا تاکہ ہماری طرف رجوع لائیں۔

(۶) إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ۱۰ : ۴

وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر اُن کو دوبارہ زندہ کریگا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے نیک عمل کیے انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے اور جو لوگ کفر کرتے رہے بدلہ ان کے لیے ان کے کفر کی سزا میں پینے کو کھولتا ہوا پانی ہوگا اور عذاب دردناک

(۷) مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۱ : ۱۵ و ۱۶

(نیک کام کرنے سے) جن کا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیوی رونق ہوتی ہے۔ ہم ان کو ان کے عملوں کا پورا بدلہ دنیا میں بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں گھاٹے میں نہیں رہتے (یہہ) وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور جو عمل ان لوگوں نے دنیا میں کیے آخرت میں سب گئے گزرے ہوگئے۔ اور ان کا کیا دھرا لغو۔

(۸) وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۝ ۱۶ : ۷۱

اور خدا ہی نے تم میں سے بعض کو (روزی میں) برتری دی ہی تو جن کو زیادہ دی گئی ہی اپنی روزی لوٹا کر اپنے زیر دستوں کو نہیں دیدیا کرتے کہ روزی میں ان کا حصہ برابر ہو۔

کو مانا جائے تو اس سے بہت سے معاملات سے پردہ اُٹھ جاتا ہی۔ جس کا جواب عقلاً و نقلاً
آجتک کسی سے بھی نہ بن پڑا۔ جبر و قدر کا مضمون خود بخود حل ہو جاتا ہی جس کو ہزاروں تدبیروں
سے حل کرنے کی کوشش کی گئی مگر لا حاصل۔ انسان جو اپنی قسمت کے لحاظ سے ہزاروں گلہ
و شکوہ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ سے بدگمان ہوتے ہیں۔ اپنے افعال پر نادم ہوں گے
[illegible] نادم بلکہ جب انتظام عالم سمجھا دیا جائیگا تو عجب نہیں کہ وہ اپنی اصلاح کے آپ درپے
(د) اغیار[1] مسلمانوں کی تعلیم کی نسبت جو اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا خدا جابر ہی جیسا
چاہتا ہی بناتا ہی اور پھر اس کو مستحق ثواب و عذاب قرار دیتا ہے۔ موجودہ حالت میں بظاہر
[illegible] ہی۔ جب معاملہ سے پردہ اُٹھ جائیگا اعتراض کا موقعہ نہ ملیگا۔ جو کچھ ہم نے بیان
کیا ہے اس کی تصدیق اس آیت سے ہوتی ہی۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ؕ مَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ ۴۳ : ۲۰

اور کہتے ہیں کہ خدائے رحمان چاہتا تو ہم ان کی پرستش نہ کرتے۔ ان کو معاملہ تقدیر کی کچھ خبر ہی نہیں۔ نری اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔

---

(۹) اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ۝ ۱۷ : ۲۱

دیکھو ہم نے دنیا میں بعض لوگوں کو بعض پر کیسی برتری دی ہی اور البتہ آخرت کے درجے کہیں بڑھ کر ہیں۔ اور (اس دن کی) برتری کہیں بڑھکر ہے۔

(۱۰) إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ ۱۷ : ۳۰

تمہارا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہی فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہی تنگی کر دیتا ہی۔ وہ اپنے بندوں سے باخبر دیکھنے والا ہی۔

(۱۱) وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ ۲۰ : ۱۳۱

ہم نے جو مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کے ساز و سامان استعمال کے لیے دے رکھے ہیں کہ ان کو ان میں آزمائیں تم اپنی نظران پر نہ دوڑانا۔

---

[1] مسز اینی بیسنٹ نے اپنی ایک تصنیف میں یہ طعنہ دیا ہی۔

انسان کو مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟ یہ امر ظاہر ہے کہ دنیا میں انتظام اور امن قائم رکھنے کے لیے انسان کو مذہب کی ضرورت داعی ہوئی جب ایسا ہے تو انسان کی بداعمالیوں کی سزا اس دنیا میں ملنا باعثِ عبرت ہو سکتا ہے۔ اس سے بہت کچھ امن میں مدد مل سکتی ہے۔ اور منشائے خداوندی پورا ہو سکتا ہے جیسے کہ آیات بالا سے ظاہر ہے۔ دنیا کا جھگڑا دنیا میں طے ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ روح اور جسم کوئی علیحدہ چیز نہیں ہیں۔ دونوں کا تعلق ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہے۔ پس اگر روح کو آلہ نہ ملتا تو روح سے کسی قسم کی برائی ہونا محال عقلی ہے

پاک بودی در حریم کبریا　　　از چہ پیدا شد ترا حرص و ہوا

روحی سزا و جزا کا خیال در اصل سزا و جزا کا در پردہ انکار ہے معلوم ہوا کہ آلہ نے روح کو نجاست میں پھنسایا۔ اس کے نسبت یہاں تک تو صحیح ہے کہ روح جو اثرات لیکر اپنے وطن کو گئی تھی اس کے مطابق اثر روحی مقام میں مستحکم کر لی۔ اس حد تک روحی سزا سمجھی جا سکتی ہے۔ مگر محض روح کا سزا بھگتنے والا خیال بے اصل ہے۔ کیونکہ روح میں احساس رنج و راحت کا نہیں ہے۔ اور نہ کلام خدا سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور نہ کلام ہو دل سے اس کی تائید۔ اسی وجہ سے کلام اللہ شروع سے آخر تک جسم پر سزا عائد کرنے کا دعویدار ہے۔ خدا روح کو ان اثرات کی مناسبت سے مقام مناسب پر سزا بھگتنے اور جزا حاصل کرنے کے لیے اسی دنیا میں بھیجتا ہے۔ گویا دنیا حقیقتاً تادیب خانہ ہے۔ بیان مذکورۂ بالا نہایت درجہ غور کے لائق ہے موجودہ اعتقاد کے لحاظ سے اہل اسلام مضامین مذکور پر اپنا مذہبی اعتقاد تو رکھتے ہیں مگر ان کا دل اس کو قبول نہیں کرتا اور نہ کسی اور طریقہ سے اطمینان ہو سکتا ہے۔

توارث اخلاقی و روحی ثابت نہیں یہ کہنا بھی بےموقع ہوگا کہ تجربہ سے اور نیز علم سائنس سے مادی توارث تو ثابت ہے مگر اخلاقی اور روحی توارث کا ثبوت نہیں ملتا۔ انسان کی عمر جیسی جیسی ترقی کرتی جاتی ہے۔ انسان کا تجربہ بڑھتا جاتا ہے کسر نفسی پیدا کرتا ہے۔ دوسروں کی خوشی اور فائدہ کے لیے اپنا نقصان گوارا کرنا سیکھتا ہے۔ مگر اس کی اس عمر کے بعد اولاد پیدا نہیں ہوتی۔ جو وراثتاً اس کا اثر قبول کیا جا سکے۔ بشرطیکہ وراثت کا اثر ہو سکتا ہو۔ اولاد پیدا ہونے کا زمانہ ماں باپ

کی جوانی کا ہونا ہے۔ جو بالکل بے سمجھی کا زمانہ ہے۔ جوانی میں جو خصائل والدین میں ہوتے ہیں اس کا اثر ہونا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ موت کے بعد تو یہ خوبی کچھ کار آمد نہیں ہو سکتی اس کا فائدہ اس مادی دنیا میں ہونا چاہیے۔ اگر تناسخ کا اصول قبول کیا جائے تو اس سے روح کی ترقی کا موقعہ ملتا ہے جو اپنے ظہور کے لیے اچھے اچھے مادہ کی متلاشی رہتی ہے۔ جس سے روح اور جسم دوش بدوش بلند پروازی کر سکتے ہیں۔ اسی کے نسبت خدائے پاک نے اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۚ — اعراف ۷ : ۵۸

جو بستی عمدہ ہے اس کے پروردگار کے حکم سے اس کی پیداوار بھی (عمدہ) نکلتی ہے اور جو بستی ناقص ہے اُس کی پیداوار بھی ناقص ہوتی ہے۔

جب یہہ امر مسلمہ ہے کہ اخلاقی اور روحی اثر وراثتاً نہیں ہے تو عالم میں جو کچھ ترقی روحی اور اخلاقی دیکھی جاتی ہے۔ اُس کو لامحالہ تناسخ کی طرف منسوب کرنا ضرور ہوگا۔ اور خدا کا وہ فرمان۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ۱۵ ، ۷۱ : ۱۴ — حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح کا پیدا کیا۔

اسپر پورا اترتا ہے۔

مسخ

کلام اللہ کی آیتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خدا نے بعض نافرمان اقوام کو ان کی سرکشی کی وجہ سے مسخ فرما دیا۔ وہ یہ ہیں۔

(۱) وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۲ : ۶۵

اور ان لوگوں کے انجام کو تو تم جان ہی چکے ہو جنھوں نے تم سے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی تو ہم نے ان سے کہا کہ بندر بن جاؤ کہ دھتکارے جاؤ۔

(۲) وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا

بنی اسرائیل سے ذرا اس گاؤں کا حال تو دریافت کرو جو دریا کے کنارہ واقع تھا۔ جب لگے سبت میں زیادتیاں کرنے کہ جب ان کی سبت کا دن

يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ج كَذَٰلِكَ ج نَبْلُوهُمْ بِمَا
كَانُوا يَفْسُقُونَ ○ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ
تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ
عَذَابًا شَدِيدًا ط قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ
وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ○ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ
أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا
الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○
فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا
قِرَدَةً خَاسِئِينَ ○ ۷: ۱۶۳ و ۱۶۴ و ۱۶۵ و ۱۶۶

ہوتا تو مچھلیاں سینہ سپر ان کے سامنے آجمع ہوتیں
جب ان کے سبت کا دن ہوتا تو مچھلیاں ان کے
پاس بھی آکر نہ پھٹکتیں چونکہ یہ لوگ نافرمان تھے
ہم بھی اسی طرح انکو مبتلائے آزمائش رکھتے۔ اور جب
ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کو
خدا ہلاک کرنا یا ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرنا
چاہتا ہے تو تم کیوں نصیحت کرتے ہو۔ اُنھوں نے
جواب دیا کہ تمہارے پروردگار کے جناب میں الزام
اتارنے کی غرض سے اور یہ کہ شاید یہ لوگ باز آجائیں
تو جب نافرمان لوگوں نے وہ نصیحتیں جو ان کو کی
گئی تھیں بھلا دیں تو جو لوگ برے کام سے منع
کرتے تھے اُن کو تو ہم نے بچا لیا اور جو لوگ شرارت
کرتے رہے اُن کو عذاب سخت میں مبتلا کیا۔ پھر
جس کام سے اُن کو منع کیا جاتا تھا جب ان میں
حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل و خوار
بندر ہو جاؤ۔

ان آیات سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ لوگ در اصل بندر بن گئے یا آنکہ ان میں ایسے اخلاق
پیدا ہوئے۔ اس میں بہت کچھ اختلاف ہی۔ مگر جب احادیث پر غور کیا جاتا ہی تو یہ پتہ چلتا ہی کہ در اصل وہ
لوگ انسانی حیثیت سے حیوانی خلقت میں داخل کیے گئے۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کو
مانتے تھے۔ چنانچہ اس کی تائید میں چند احادیث پیش کیے جاتے ہیں۔

(۱) حدثنا عبد الرحمن ابن غنم الاشعری
قال حدثنی ابو عامر او ابو مالك الاشعری
واللہ ما كذبنی سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم

کہا ہم سے عبد الرحمن بن غنم کہا مجھ سے ابو عامر
یا ابو مالک اشعری نے (ابو داؤد کی روایت میں
ابو مالک نے بغیر شک کیے) اور خدا کی قسم اُنھوں نے

بقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف ولینزلن اقوام الی جنت علم یروح علیہم بسارحۃ لہم یاتیہم یعنی الفقیر لحاجۃ فیقول ارجع الینا غدا فیبیتہم اللہ ویضع العلم ویمسخ آخرین قردۃ وخنازیر الی یوم القیمۃ۔

کتاب صحیح البخاری پارہ ۲۳ صفحہ ۴۴ مترجمہ مولوی وحیدالزماں مطبوعہ مطبع احمدی لاہور۔

جھوٹ نہیں کہا اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے۔ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا اور حریر اور شراب کو اور باجوں کو (یا گانے بجانے کو) درست کریں گے۔ اور ایسا ہوگا کہ چند لوگ ایک پہاڑ کے بازو پر اتریں گے۔ شام کو اُن کا چرواہا اُن کے جانور لیکر اُن کے پاس آجائیگا۔ کوئی محتاج اپنی حاجت لیکر ان کے پاس آجائیگا تو اس سے کہینگے اسے فقیر کل آیو لیکن رات کو اللہ تعالیٰ ان پر پہاڑ گرا کر ان کا کام تمام کر دیگا۔ ان میں سے کچھ لوگوں کو جو پہاڑ پر گرنے سے بچ جائینگے بندر اور سوئر بنا دیگا۔ قیامت تک اسی صورت میں رہینگے۔

۱۲۔ بخاری۔ ابوھریرہ ان ابراھیم یری اباہ یوم القیمۃ علیہ الغبرۃ ۔

حدیث ۱۔ تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار صفحہ ۱۰ مطبوعہ ۱۳۰ مطبوعہ مطبع نامی کانپور ۱۳۰۱ھ۔

ابوہریرہ رض سے روایت ہو کہ حضرت نے فرمایا کہ قیامت میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ اپنے باپ کو دیکھینگے کہ اس پر خاک دھول پڑی ہو سیاہی اس کو لپٹی ہو۔

بخاری میں اس کا پورا قصہ یوں ہو کہ جب قیامت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کو جس کا نام آذر مشہور ہو عذاب میں گرفتار دیکھینگے تو کہینگے کیوں میں نے نہ کہا تھا کہ بت پرستی نہ کر میرا کہنا ان تو نے نہ مانا۔ آذر کہیگا جو ہوا سو ہوا اب میں تمہارا کہنا مانوں گا۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام جناب الٰہی میں عرض کریں گے کہ اے میرے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہو کہ میں تجھکو قیامت میں فضیحت نہ کرونگا اس سے زیادہ کون رسوائی ہو کہ میرے باپ کا یہ حال ہو۔ خدا فرمائیگا کہ میں بہشت کا فروں پر حرام کر چکا یعنی یہ ممکن نہیں کہ یہ دوزخ سے نکلے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوگا اپنے پاؤں کے

تلے دیکھو تو دیکھنگے کہ آذرخاک آلودہ جانور ہوگیا۔ پھر فرشتے اس کے پاؤں کو گھسیٹ کر دوزخ میں ڈالدینگے

(۳) ابو سعید۔ ان امتہ من بنی اسرائیل مسخت فلا ادری ای الدواب مسخت۔

حدیث ۲۰۳ تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار صفحہ ۴۹

بخاری اور مسلم میں ابو سعید سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ مقرر حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے ایک گروہ کی خدا نے صورت بگاڑ ڈالی ہی سو میں نہیں جانتا کہ وہ کون جانور کی صورت ہو گئے

بخاری اور مسلم میں پوری روایت یوں ہے کہ ایک گنوار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور اُس نے کہا کہ یا حضرت میں اس جنگل میں رہتا ہوں کہ وہاں کے لوگوں کی خوراک سوسمار ہی سو سمار وہ جانور ہے جس کو ہندی میں گوہ کہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے پوچھا پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چپ رہے۔ تیسرے بار میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر خدا نے لعنت کی اور اُن کی صورت بدل ڈالی۔ مجھ کو نہیں معلوم کہ وہ گوہ کی صورت ہو گئے یا اور کوئی جانور ہو گئے۔ سو میں تو اس کو نہیں کھاتا اور منع بھی نہیں کرتا۔

(۴) ابو ھریرہ فقدت امتہ من بنی اسرائیل لا یدری ما فعلت وانی لا اراھا الا الفار اذا وضع لھا البان الابل لم تشرب و اذا وضع لھا البان الشاء شربت

حدیث ۷۳۴ صفحہ ۱۰۳ تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار

بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا بنی اسرائیل کا ایک گروہ مسخ ہوگیا۔ نہیں معلوم کون صورت ہو گئی اور مقرر سوائے چوہے کے کوئی میرے خیال میں نہیں آتا جب چوہے کے آگے اونٹ کا دودہ رکھیے تو نہ پیے۔ جب اس کے سامنے بکریوں کا دودہ رکھیے تو پی جائے۔

آیات و احادیث بالا سے جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہی ہی کہ انسان کو اس کی بداعمالی کی سزا اسی دنیا میں ملتی ہی۔ چنانچہ جن لوگوں کو خدا نے مسخ فرمایا وہ اسی دنیا میں فرمایا نہ کہ اس سے باہر اور جو لوگ اپنے اعمال کی وجہ سے ذلیل اور مستوجب عذاب ہوئے وہ اسی دنیا میں ہوئے نہ کسی اور دنیا میں اور پھر آیت ذیل سے اس کی تصدیق پوری طرح ہوتی ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ ع سورہ التین   پھر پھینک دیا اس کو نیچوں سے نیچے۔

اسفل سافلین انسان کی تخلیق کی سب سے پہلی کڑی ہی - بہرحال اس کا انکار گویا بدیہیات کا انکار ہے

مسز انی بیسنٹ وغیرہ تھیاسوفسٹ مسخ کا انکار کرتے ہیں

جو امور ایسے ہیں جن کی کنہ تک پہنچنا خود عقل بشری سے نہونا ہو اس کے لیے نبی یا رسول کی ہدایت کی ضرورت یا خدا کا کلام سند ہوتا ہی- اور ایسی محکم سند کے مقابل میں اس کا انکار صحیح نہیں ہے جیسا کہ قرآن میں مسخ ہونیکا بیان ہے ایسا ہی ہندؤں کی مذہبی کتابوں میں بھی مسخ ہونیکا ذکر ہے - مگر تھیاسوفیکل سوسائٹی جس کی پریسیڈنٹ مسز انی بیسنٹ ہیں - انھوں نے مسخ کا انکار کیا ہے۔ اور اسی سند پر دوسرے مولفین کتب تصوف نے تتبع کی ہی - انکا انکار ایک ایسے معاملہ میں جس کی تصدیق الہامی کتب کرتے ہوں - قابلِ وقعت نہیں ہوسکتا- اگر مسز موصوفہ اس کے نسبت کوئی الہامی دلیل ہندؤں کے کتب سے یا کسی اور انبیا کی کتب الہامی سے دیں تو اس حالت میں ایک حد تک مسز موصوفہ کا قول قابل لحاظ ہوسکتا ہے - مگر مسز موصوفہ کے پاس بجز عقل کے کوئی دلیل نہیں ہے - لہذا ہم مسز موصوفہ کو اس امر پر توجہ دلاتے ہیں کہ یا تو وہ اس کا ثبوت دیں یا ثبوت نہ دیسکتی ہوں تو ان الہامی باتوں کو مردود نہ ٹھرائیں ان کو انہی حالت پر رہنے دیں ان سے جو مصیبتیں دوزخیوں کے تکالیف کے متعلق کتب الہامی میں بیان ہوئی ہیں پورے طور پر چسپاں ہوتی ہیں- ورنہ ان کا اصلی معنی میں تسلیم کرنا لازم ہوگا- تصوف بھی ایک سائنس ہے اور ہر بات کے سمجھنے کے لیے معقولیت پیدا کی جاتی ہے- تو لازمی طور پر انسانوں کو جہنمی تکالیف کی برداشت اور وہ غذا جو جہنمیوں کے لیے مخصوص ہے کھانے کے لیے انسانی حالت سے جدا ایک ایسی حیثیت میں آنا پڑیگا جو اس سے مناسبت رکھتے ہیں چنانچہ جہنمیوں کے نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ انھیں کانٹے کھلائے جائینگے- اب یہ امر غور طلب ہے کہ آیا انسانی اعضا کانٹے کھانے کی قابلیت رکھتے ہیں اگر نہیں تو پھر ان کو کانٹے کھلانا کیا معنی رکھتا ہے اس پر وہ واقعہ جس کا ذکر علامہ سید شریف محشی مواقف نے اپنی کتاب میں کیا ہے پورا اترتا ہے-

انسان کے ایک سے زیادہ وقت دنیا میں آنے کا کیا ثبوت ہے-

بیشک یہہ سوال نہایت غور طلب ہے- اس کا ثبوت کسی شخص خاص کے قول سے دیا جانا قابلِ لحاظ نہیں ہوسکتا- اور نہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ ہر شخص اپنی پچھلی حالت سے آگاہ ہوسکے- آگاہی کے لیے حد درجہ کی معلومات اور روحی قابلیت درکار ہے- اب اس کے ثبوت کا دارو مدار کلام خدا یا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر رہا جب ہم کلام خدا پر غور کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ احیاء دنیا میں ایک سے زیادہ وقت آتا ہے جس کی تائید میں آیات ذیل پیش کیے جا سکتے ہیں۔

(۱) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۲-۲۴۱

کیا تم نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی جو اپنے گھروں سے موت کے ڈر کے مارے نکل کھڑے ہوئے اور وہ ہزاروں ہی تھے۔ پھر خدا نے ان کو حکم دیا کہ مر رہو۔ پھر خدا نے ان کو جلا اٹھایا۔

(۲) أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۲ : ۲۵۸-

یا مثلاً ان پر بھی نظر کی جو ایک بستی پر گذرے اور وہ اپنے چھتوں پر ڈھ ڈھ پڑی تھی۔ کہنے لگے کہ اللہ اس کو اس کے مرے پیچھے کیسے زندہ یعنی آباد کریگا۔ اس پر اللہ نے اس کو سو برس تک مردہ رکھا پھر ان کو جلا اٹھایا اور پوچھا تم کتنی مدت تک رہے کہا ایک دن رہا ہونگا یا ایک دن سے بھی کم فرمایا بلکہ تم سو برس سے اب اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ کوئی بسی تک نہیں اور اپنے گدھے کی طرف نظر کرو اور مقصود یہ ہے کہ تم کو لوگوں کے لیے ایک نمونہ بنائیں اور ہڈیوں کی طرف نظر کرو ہم کیسے ان کو کھڑا کرتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پھر جب ان پر ظاہر ہوا تو بول اٹھے کہ اب میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۳) كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۲ : ۲۸

کیونکر تم خدا کا انکار کر سکتے ہو تم بے جان تھے تو اس نے تم میں جان ڈالی پھر تم کو مارتا ہے۔ پھر تم کو جلائیگا پھر اسی کے طرف لوٹائے جاؤگے۔

(۴) وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا

اور قیامت کے دن ہم ان لوگوں کو ان کے منہ کے بل

وَبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ - ۱۷: ۹۷ ، ۹۸ ، ۹۹

اٹھائینگے اندھے اور گونگے اور بہرے اور ان کا ٹھکانا دوزخ جب بجھنے کو ہوگی ہم ان کے لیے اور زیادہ بھڑکا دیں گے یہ ان کی سزا ہے کہ وہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے اور کہا کرتے تھے کہ جب ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائینگے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھا کھڑے کیے جائینگے۔ کیا ان لوگوں نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان جیسے (آدمی دوبارہ) پیدا کرے اور اس نے ان کے (دوبارہ پیدا ہونے کے) لیے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں۔

(۵) اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ - ۳۰ - ۴۰

اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے۔ پھر تم کو جلائیگا۔ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو ان میں سے کچھ بھی کر سکے۔

(۶) قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ۴۰ - ۱۱

کہ اے ہمارے پروردگار تو ہم کو دوبارہ مردہ اور دوبارہ زندہ رکھ چکا تو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں پھر نکلنے کی کچھ صورت ہے۔

(۷) وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۷۱: ۱۷، ۱۸

اور اللہ نے تم کو زمین سے اگایا پھر لوٹا کر اسی مٹی میں تم کو ملا دیگا۔ اور تم کو اسی سے نکال کھڑا کریگا۔

آیت ہائے مذکورہ کے علاوہ اور آیتیں فٹ نوٹ میں دی گئی ہیں۔

---

(۱) اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۲۷: ۶۴ -

بھلا کون ہے جو سرے سے بناتا ہے پھر اس کو دہراتا ہے۔

(۲) وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۷: ۲۴، ۲۵

اور تم کو ایک وقت خاص تک زمین پر رہنا ہوگا اور تمہارا سامان زیست بھی وہیں مہیا ہے خدا نے یہ بھی فرمایا کہ

ان آیات کے علاوہ کلام اللہ میں خاص ایک آیت ہے جس کے سوال سے تناسخ کا پتہ چلتا ہے

زمین ہی میں زندگی بسر کروگے اور اسی میں مروگے اور اسی میں سے نکال کھڑے کیے جاؤگے

(۳) كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ٥ ٧ : ٢٩ -

جیسا تم کو پہلے بنایا دوسری بار بنیگے۔

(۴) إِنَّهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ١٠ : ٤

وہی اول بار مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر ان کو دوبارہ زندہ کریگا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے۔

(۵) قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللَّهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ ٥ ١٠ : ٣٤

پوچھو تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرے پھر ان کو دوبارہ پیدا کرے، کہو وہی مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر ان کو دوبارہ پیدا کریگا۔ تو تم اب کدھر کو الٹے چلے جاتے ہو

(۶) وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ٥ ١١ : ٧

اور اگر تم کہو کہ مرے پیچھے تم اٹھا کھڑے کیے جاؤگے جو لوگ منکر ہیں ضرور کہینگے کہ یہ تو بس جادوگری کی سی باتیں ہیں۔

(۷) وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥ ١٦ : ٣٨

اور یہ منکر خدا کی بڑی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے اس کو خدا نہیں اٹھا کھڑا کریگا۔ ضرور (اٹھا کھڑا کریگا) یہ وعدہ برحق ہے (اس کا ایفا) اس پر لازم ہے مگر اکثر لوگ یقین نہیں کرتے۔

(۸) وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ٥ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ٥ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ٥ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ٥ ١٧ : ٤٩ تا ٥٢

اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائینگے کیا ہم کو از سر نو پیدا کرکے کھڑا کیا جائیگا۔ کہو کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی اور چیز بھی بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بڑی (سخت) ہو اس پر پوچھینگے کہ ہم کو دوبارہ کون زندہ کرسکیگا۔ کہو کہ وہی (خدا) جس نے تم کو اول بار پیدا کیا۔ اس پر یہ لوگ تمہارے آگے سر ہلانے لگینگے اور پوچھینگے بھلا قیامت کب آئیگی۔ کہو عجب نہیں کہ قریب آگئی ہو۔ جبکہ خدا تم کو بلائیگا تو تم اس کے حکم کی تعمیل کروگے

وہ آیت الجاثیہ کے تیسرے رکوع (۲) کو انکار رب کہتے ہیں ۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَ

اور کہتے ہیں اور نہیں ہی ہے ہمارا جینا دنیا کا ہم مرتے ہیں

اس کی تعریف کرتے ہو اور خیال کرو گے کہ تم بس تھوڑے ہی دنوں رہے ۔

(۹) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝ ۲۳: ۱۲ تا ۱۶

اور ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا ۔ پھر ہم ہی نے اس کو حفاظت کی جگہ نطفہ بنا کر رکھا پھر ہم ہی نے نطفہ کا لوتھڑا بنایا پھر ہم ہی نے لوتھڑے کی ننھی بوٹی بنائی ۔ پھر ہم ہی نے بوٹی کی ہڈیاں بنائیں پھر ہم ہی نے ہڈیوں پر گوشت مڑھا پھر ہم ہی نے اس کو دوسری ہی مخلوق بنا کر کھڑا کیا تو خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب بنانے والوں میں بہتر بنانے والا ہے پھر اس کے بعد تم کو مرنا ہے ۔ پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کیے جاؤ گے ۔

(۱۰) وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا وَآبَاؤُنَا أَئِنَّا لَمُخْرَجُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هَٰذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝ ۲۷: ۶۷ تا ۶۹

جو لوگ منکر ہیں وہ تعجب کی راہ سے کہتے ہیں کہ کیا جب ہم اور ہمارے باپ دادا گل سڑ کر مٹی ہو جائینگے تو کیا ہم پھر نکالے جائینگے ۔ پہلے سے بھی ہماری اور ہمارے باپ دادوں کے ساتھ ایسے وعدے ہوتے چلے آئے ہیں ۔ ہوا یا نہ ہو یہ اگلے لوگوں کے ڈھکوسلے ہیں (ان سے) کہو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو گنہگاروں کا کیا انجام ہوا ۔

(۱۱) أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ۲۹: ۱۹ تا ۲۰

کیا لوگوں نے نظر نہیں کی کہ خدا کس طرح مخلوقات کو اول پیدا کرکے پھر اسی کو دوہرا دیگا ۔ یہ اللہ پر آسان ہے ان کو سمجھاؤ کہ تم ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ خدا نے کس طرح پہلی بار پیدا کیا پھر وہی اللہ آخری اٹھانا اٹھائیگا ۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ

اور ہم جیتے ہیں اور مرتے ہیں سو ہم زمانہ سے اور ان کو کچھ

(۱۲) اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

اللہ بناتا ہی پہلی بار پھر اُس کو دہرا دیگا۔

(۱۳) يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ ۝ ۳۰ : ۱۹

زندہ کو مردہ سے نکالتا ہی اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہی اور زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہی اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے

(۱۴) ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنتُمْ تَخْرُجُونَ ۝ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَّهُ قَانِتُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ ۳۰ : ۲۵ تا ۲۷

پھر جب وہ تم کو آواز دیکر زمین سے بلائیگا تو بس تم نکل پڑو گے اور جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اسی کے ہیں اور سب اسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو مخلوقات کو اول بار پیدا کرتا ہے پھر اُن کو دوبارہ پیدا کریگا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔

(۱۵) وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۝ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۝ ۳۴ : ۷ و ۸

اور جو لوگ منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ کہو تو ہم تم کو ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیگا کہ جب تم [illegible] ریزہ ریزہ ہوجاؤ گے تو ضرور تم کو نئے سرے سے آنا ہوگا۔ معلوم نہیں اس شخص نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کسی طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرۃ کا یقین نہیں رکھتے مصیبت اور پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں۔

(۱۶) أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ نَعَمْ وَأَنتُمْ دَاخِرُونَ ۝ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنظُرُونَ ۝ ۳۷ : ۱۶ تا ۱۹

کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوکر رہ گئے کیا ہم اٹھا کھڑے کیے جائینگے۔ کیا ہمارے اگلے باپ بھی۔ کہو کہ ہاں اور تم ناتوان ہوگے۔ قیامت تو ایک جھٹکا ہے ادھر جھٹکا اُدھر سب لگے دیکھنے۔

(۱۷) وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ جو ہماری دنیا کی زندگی ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح کی زندگی نہیں اور یہ غلط ہے کہ مرے پیچھے جلا اُٹھائے جائیں گے اور کاش تم دیکھو جب یہ لوگ اپنے پروردگار کے روبرو لا کھڑے کیے جائینگے پوچھیگا کیا یہ صحیح نہیں، وہ جواب دینگے ہم کو اپنے پروردگار کی

علم ان هم الا يظنون ○ وإذا تتلى عليهم

خبر نہیں اس کی نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں اور جب سنائیں

الساعة بغتة قالوا يحسرتنا على ما فرطنا فيها وهم يحملون أوزارهم على ظهورهم ألا ساء ما يزرون ○

٦ : ٢٦ تا ٣١

کی قسم ہاں۔ فرمایگا کہ تم جو انکار کرتے تھے اس کی سزا میں عذاب چکھو۔ جن لوگوں نے اللہ کے حضور میں حاضر ہونیکو جھوٹ جانا بلاشبہ وہ لوگ گھاٹے میں رہے جب اکیبارگی قیامت ان پر آموجود ہوگی تو چلا اٹھینگے کہ اے افسوس ہماری کوتاہی پر جو قیامت کے بارے میں ہم سے ہوئی اور اپنے بوجھ اپنے پیٹھوں پر لادتے ہونگے دیکھو تو کیا ہی برا بوجھ ہی جس کو یہ لوگ لادے لادے پھرتے ہیں

(١٨) وإن تعجب فعجب قولهم أإذا كنا ترابا أإنا لفي خلق جديد أولئك الذين كفروا بربهم وأولئك الأغلال في أعناقهم وأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون ○ ١٣ : ٥

اگر تم تعجب کرو تو کافروں کا قول بھی عجیب ہی ہے کہ جب ہم مٹی ہوجائینگے تو کیا ہم از سرنو جنم میں آتا ہے یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہونگے اور یہی لوگ ہیں دوزخی کہ دوزخ میں ہمیشہ رہینگے

(١٩) ويقول الإنسان أإذا ما مت لسوف أخرج حيا ○ أولا يذكر الإنسان أنا خلقناه من قبل ولم يك شيئا ○ ١٩ : ٦٦

جو آدمی پوچھا کرتا ہی کیا جب میں مرجاؤنگا تو ضرور زندہ کرکے نکالا جاؤنگا۔ کیا آدمی یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ یہ کچھ بھی نہ تھا۔

(٢٠) منها خلقناكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة أخرى ○

٢٠ : ٥٥

اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹا کر لائینگے اور اس سے تم کو دوبارہ نکال کھڑا کرینگے۔

اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا

ان کو ہماری آیتیں کھلی اور جھگڑا نہیں انکو مگر یہی کہ کہتے ہیں

(٢١) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ط وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ج وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

٢٢ : ٥ و ٦ و ٧

لوگوں اگر تم کو جی اُٹھنے میں کسی طرح شک ہو تو ہم نے تمکو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر پوری بنی ہوئی اور ادھوری بنی ہوئی بوٹی سے پیدا کیا تاکہ تم پر اپنی قدرت ظاہر کریں اور عورتوں کے پیٹ میں ہم جس (نطفہ) کو چاہتے ہیں وقت مقرر تک ٹھیرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر (تم کو پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی کوئی تو (عمر طبعی) سے پہلے مرجاتا ہے اور کوئی کوئی سب سے زیادہ نکمی عمر یعنی بڑھاپے کی طرف لوٹا کر لایا جاتا ہے کہ جاننے کے پیچھے کچھ سمجھے نہیں اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ بے حس و حرکت ہے پھر جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں وہ لہلہانے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوشنما روئیدگی اُگاتی ہے یہ سب اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ برحق ہے اور اس کی کہ وہ مردوں کو جلائیگا۔ اور اس کی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی کہ قیامت ضرور آنیوالی ہے اس میں کسی طرح کا شک نہیں اور اس کی کہ جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ اُن کو اُٹھائیگا۔

(٢٢) فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ٣٠ : ٥٠

تو رحمت الٰہی کی طرف نظر کر کہ زمین کو اس کے مرے پیچھے کیونکر جلا اُٹھاتا ہے کچھ شک نہیں کہ یہی (خدا) مردوں کو جلانیوالا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(٢٣) وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ لا وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا

اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے اور یہ کہ جب نطفہ پہنچایا جاتا ہے تو وہی اس سے نر و مادہ دو قسم پیدا

قَالُوا ائْتُوا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلِ اللّٰهُ

کہ لے آؤ ہمارے باپ داداؤں کو اگر تم سچے ہو تو کہہ

تُمْنٰى ۝ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ○

٥٣ : ٤٦ تا ٤٧

کرنا ہی اور یہ کہ دوبارہ جلا اٹھانا اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔

(٢٤) زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ط قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ط وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ ٦٤ : ٧

کافر کہتے ہیں کہ ہرگز ان کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائیگا کہو کہ ہاں ہاں مجھے اپنے پروردگار کی قسم ہے کہ تم ضرور اٹھائے جاؤگے پھر جو کچھ بھی تم نے کیا ہے ضرور تم کو بتایا جائیگا۔ یہ اللہ کے نزدیک سہل ہے

(٢٥) يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ط ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ط قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ○ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ط ٧٩ : ١١ تا ١٥

کہتے ہیں کیا ہم الٹے پاؤں لوٹائے جائینگے اور وہ بھی ایسی حالت میں جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہوچکے ہونگے کہتے ہیں کہ ایسا ہوا تو یہ لوٹنا نقصان کی بات ہے تو قیامت تو بس ایک ڈانٹ ہی اور ایک دم سے لوگ میدان حشر میں موجود ہونگے۔

(٢٦) ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ۝

٨٠ : ٢١ و ٢٢

اس کو مار دیا پھر اس کو قبر میں داخل کیا پھر جب چاہیگا اس کو اٹھا کھڑا کریگا۔

(٢٧) فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ط خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ط اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ط ٨٦ : ٥ تا ٨

تو انسان کو چاہیئے کہ وہ دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے پانی سے جو اچھل کر نکلتا ہے پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں کے بیچ میں سے۔ بیشک خدا اس کے لوٹانے یعنی دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

(٢٨) يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○

٢١ : ١٠٤

جبکہ ہم آسمانوں کو اس طرح لپیٹینگے جیسے خطوں کا مکتوب لپیٹ لیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے اول بار پیدا کیا تھا ان کو دوبارہ بھی (پیدا) کرینگے (یہ) وعدہ ہے اور ہم اس کو ضرور کرکے رہینگے۔

(٢٩) وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ

اور سن رکھو کہ جس دن للکارنے والا پاس کے پاس سے

يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۔

۴۵ : ۲۴، ۲۵، ۲۶

اللہ جلاتا ہی تم کو پھر مارے گا تم کو پھر اکٹھا کریگا تم کو قیامت کے دن تک اس میں کچھ شک نہیں پر بہت لوگ نہیں سمجھتے

قَرِيبٍ ۝ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ۝ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ۝

۵۰ : ۴۱ تا ۴۴

آواز دیگا کہ جس دن اس فرشتے کے چیخنے کو بخوبی سن لینگے وہ دن نکلنے کا ہوگا۔ بیشک ہم ہی جلاتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف پھر کر آنا ہے جس دن مردوں سے زمین پھٹ جائیگی اور یہ زندہ ہو کر حساب کتاب کے لئے نکلینگے یہ جمع کر لینا ہمارے لیے سہل ہی۔

(۳۰) إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيدُ ۝ ۸۵ : ۱۳

وہی اول بار پیدا کرتا ہی اور دوبارہ بھی کریگا

(۳۱) قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ ۳۶ : ۷۸، ۷۹۔

کہتا ہی کون ہی کہ ہڈیاں گل گئی ہوں اور وہ ان کو جلا کھڑا کرے۔ کہو کہ جس نے ہڈیوں کو اول بار پیدا کیا تھا وہی ان کو جلائیگا۔ وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔

(۳۲) أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝ ۳۶ : ۸۱

کیا جس خدا نے آسمان و زمین پیدا کیے وہ اس پر قادر نہیں کہ پیدا کرے۔ ہاں وہ بڑا پیدا کرنے والا اور ماہر ہے۔

(۳۳) وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ۝ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ۝ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا كَذَٰلِكَ الْخُرُوجُ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ۝ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ۝ أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِنْ خَلْقٍ

اور ہم نے آسمان سے برکت کا پانی اتارا اور بندوں کو روزی دینے کے لیے اس کے ذریعہ سے باغ اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کی گپھیں خوب گتھی ہوئی ہوتی ہیں اور ہم نے مینہ کے ذریعے مری ہوئی بستی کو جلا اٹھایا۔ اسی طرح نکلنا ہوگا۔ ان لوگوں سے پہلے نوح کی قوم نے جھٹلایا اور خندق والوں نے اور ثمود نے اور عاد نے اور فرعون نے

کلام اللہ شروع سے اخیر تک تناسخ کی تعلیم دے رہا ہے اور احادیث شریف سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اور جتنے قدیم

جَدِیْدٍ ہ

۵۰ : ۹ تا ۱۵

اور قوم لوط نے اور بن کے رہنے والوں نے اور تبع کے لوگوں نے سب ہی نے تو جھٹلایا تو ہمارا وعدہ عذاب ان کے حق میں پورا ہوا۔ کیا ہم اول بار پیدا کرنے میں تھک گئے تھے؟ نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ از سر نو پیدا کرنے کی طرف سے شک میں ہیں۔

(۳۴) نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ہ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ہ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ہ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ہ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ہ

۵۶ : ۵۷ تا ۶۲

ہم نے تم کو پیدا کیا ہے تو تم سچ کیوں نہیں سمجھتے بھلا۔ دیکھو تو کہ یہ منی جو تم رحم میں پہنچاتے ہو کیا اس کا آدمی تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم ہی نے تم لوگوں میں موت کا قرار داد کیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں اور ایک اور ہستی میں جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کھڑا کریں اور تم تو پہلے بنانے کو جان ہی چکے ہو کیوں نہیں سوچتے۔

(۳۵) وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ہ

۲۲ : ۶۶

اور لوگو وہی ہے جس نے تم میں جان ڈالی پھر وہی تم کو مارتا ہے۔ پھر تم کو جلائیگا۔ کچھ شک و شبہ نہیں انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔

(۳۶) مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ

۳۱ : ۲۸

تم سب کا پیدا کرنا اور تمہارا اُٹھا کھڑا کرنا ایسا ہے جیسا ایک شخص کا۔

مذاہب ہیں ان سب میں تناسخ کی تعلیم ہی اور یہ ایک اہم اور مہتم بالشان معاملہ تھا۔

کلام اللہ کی تعلیم فرقانی ہی

کلام اللہ کی جتنی تعلیم ہے فرقانی ہے تو اس مضمون کے نسبت اس سے بہتر موقعہ نہ تھا کہ اس کا فیصلہ قرآن کے ذریعہ سے عمل میں آتا کیونکہ ایک ادنیٰ بات لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ کی خدائے تعالیٰ اپنی کتاب میں تردید فرمائے۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ ۝ ۲۷:۵۷

اور دنیا کا چھوڑ بیٹھنا جس کو انھوں نے از خود ایجاد کیا تھا ہم نے وہ ان پر فرض نہیں کیا تھا۔

اور اس کا فرق ظاہر کردے جس میں کسی قسم کی اہمیت نہ تھی۔ یہ ایسا معاملہ جس پر ایمان لانا فرض ہی۔ بجز اسپر یقین اور ایمان لانے کے کوئی شخص اسلام میں شریک نہیں ہوسکتا۔ خدا کا کفار کے جواب میں سکوت کرنا بمنزلہ اقبال ہی۔

نفس انسانی کی خصوصیت

نفس کی حالت میں ایک خاص خصوصیت یہ ہی کہ جہاں کوئی واقعہ ایک وقت ظہور میں آیا بار بار نفس میں اس کے ظہور کا رجحان ہوجاتا ہی۔ یہ ایک بین اور مسلمہ مسئلہ ہی جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ اگر انسان کا بار بار دنیا میں آنا صحیح ہوتا تو نفس انسان میں یا بہ الفاظ دیگر روح میں یہ رجحان کیونکر پیدا ہوسکتا جیسا کہ آیت ہائے ذیل سے پتہ چلتا ہے۔

(۱) حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ۝ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ ۚ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا ۖ وَمِن وَرَائِهِم بَرْزَخٌ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ ۲۳:۹۸ و ۹۹

یہاں تک کہ جب پہنچی اُن میں کسی کو موت کہیگا اے رب مجھ کو پھر بھیج شاید کچھ میں بھلا کام کروں اس میں جو پیچھے چھوڑ آیا کوئی نہیں یہ بات ہے کہ وہی کہتا ہے اور ان کے پیچھے تھے اٹکاؤ۔ جس دن تک اُٹھائے جائیں۔

(۲) وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ ۶ : ۲۷ و ۲۸ ۔

اور کبھی تو دیکھے جس وقت ان کو ٹھہرایا ہے آگ پر تو کہتے ہیں اے کاش کہ ہم کو پھر بھیجیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتیں اور رہیں ایمان والوں میں۔ کوئی نہیں بلکہ کھل گیا جو چھپاتے تھے پہلے اور اگر پھیرے جائیں پھر کریں وہی جو منع ہوا تھا ان کو اور وہ جھوٹ بولتے ہیں

(۳) رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ ۳۲: ۱۲ -

اے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا۔ اب ہم کو پھر بھیج ہم کریں بھلائی۔ ہم کو یقین آیا۔

دنیا میں بار بار آنے کا خیال بے وجہ نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا روم اس کے نسبت اپنی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

پس نہ وسیع این جہان وآن جہاں ماندہ این بے رہاں بے این وآں

جتنک یہ لوگ نفس کے بتوں کو توڑ کر شرک سے پاک ہو کر اعمال صالحہ پر عمل نہ کریں گے۔ یہ دور اُن کو لگا رہیگا آیات مذکورۂ بالا کے علاوہ چند آیات اور ہیں جن سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ انسان دنیا میں بار بار آتا ہے چنانچہ خداوند تعالے فرماتا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ج يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَاءُ ج وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ○

تو کہہ مُلک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کی ہے پیدائش پھر اللہ اٹھائیگا پچھلا اُٹھان۔ بیشک اللہ ہر چیز کرسکتا ہے دُکھ دیگا جو چاہے اور رحم کریگا جس پر چاہے اور اُسی کی طرف پھر جاؤ گے۔

۲۹: ۲۰ و ۲۱ -

اس آیت میں مضارع کی معنی جو مستقبل میں کیے گئے ہیں اس سے مطلب نہیں نکلتا۔ یعنے ملک میں پھرنے پھرنے والا پچھلے اُٹھانے کو کیسے دیکھیگا۔ جبکہ اس کا وقوع ہی نہیں ہوا۔ ہاں اگر حال کے معنی کی جائے۔ یعنی تو کہہ ملک میں پھرو پھر دیکھو کیونکر شروع کی ہے پیدائش۔ پھر اللہ اٹھاتا ہے پچھلا اُٹھان اللہ ہر چیز کرسکتا ہے۔ اب آیت بالا کے معنی بہت صاف ہیں اس میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے۔ نشاۃ الآخرہ کا سیر کرنے والے کو کیسے پتہ چلے۔ یہ بھی ویسی ہی آیت ہے جیسے کہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کی نسبت خدا تعالیٰ نے کفار پر الزام دیا ہے۔ مگر اس مقام پر آیت مذکورہ کا آخری بیان اس کی شناخت کے لیے ایک اشارہ ہے یعنی جو لوگ عذاب و راحت میں ہیں اس پر سے اس کی تشخیص کی جائے۔

(۴) اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ج

کوئی نہیں ان کو دھوکہ ہے ایک نئے بننے میں اور ہم نے بنایا انسان کو اور ہم جانتے ہیں جو باتیں آتی ہیں اس کے جی میں اور ہم اس کے نزدیک ہیں دھڑکتی رگ سے

وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ۔ ۝ زیادہ قریب

۵۰: ۱۵ و ۱۶

جو جسم انسان زمین میں دفن ہوا ہے وہ نہیں اٹھے گا

اس آیت سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ جو جسم زمین میں دفن کیا گیا وہ تو نہیں اُٹھیگا اگر وہی جسم اُٹھتا تو اُٹھنے والے کو اپنے مقام اور اپنی ذات کے پہچاننے میں وقت نہ واقع ہوتی۔ اور نئے بننے کا لفظ خود اس امر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ سورہ واقعہ کی آیت میں توضیح ہے:۔

عَلٰۤی اَنۡ نُّبَدِّلَ اَمۡثَالَکُمۡ وَ نُنۡشِئَکُمۡ فِیۡ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔

(۳) اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ؕ اَطَّلَعَ الۡغَیۡبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَہۡدًا ۙ کَلَّا ؕ سَنَکۡتُبُ مَا یَقُوۡلُ وَ نَمُدُّ لَہٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ۙ وَّ نَرِثُہٗ مَا یَقُوۡلُ وَ یَاۡتِیۡنَا فَرۡدًا ۝ - ۱۹: ۷۷ تا ۸۰

بھلا تو نے دیکھا جو منکر ہوا ہماری آیتوں سے اور کہا مجھکو ملتا ہی مال اور اولاد - کیا جھانک آیا ہے غیب کو یا لے رکھا ہی رحمن کے یہاں قرار یوں نہیں ہم لکھ رکھینگے جو کہتا ہی اور بڑھاتے جائینگے اس کو عذاب میں لمبا۔ اور ہم لینگے اس کے مرے پر جو بتا تا ہے اور آئیگا ہم پاس اکیلا۔

کیوں خداوند تعالےٰ نے اس کے اس قول کا کہ "مجھ کو ملتا ہی مال اور اولاد" انکار نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے قول کو قبول فرماکر ارشاد فرماتا ہی کہ "ہم لینگے اس کے مرنے پر جو بتاتا ہے"

آیت بالا کا شان نزول یہ بتلایا جاتا ہی کہ خباب رضی اللہ عنہ صحابی لوہار تھے۔ عاص بن وائل کافر نے ان سے تلوار بنوائی اور دام نہیں دیے۔ خباب رضی اللہ عنہ نے تقاضہ کیا۔ عاص نے کہا جبتک تم اسلام سے انحراف نہ کرو میں تم کو ایک کوڑی نہ دونگا۔ خباب رضی اللہ نے کہا یہ نالائق تو مجھ سے نپٹنے کی نہیں اور اگر تو مر کر بھی جیتا ہم میں کفر کرنے والا نہیں - عاص نے کہا کہ مر کر جیوں گا تو تم مسلمانوں کے عقیدہ کے موافق وہاں بھی دنیا کا ساز و سامان سب کچھ ہوگا۔ اُس وقت میں تمہارے دام چکا دونگا۔

(۴) وَ حَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ اَہۡلَکۡنٰہَاۤ اَنَّہُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ ۝ ۲۱: ۹۵

اور مقرر ہوا ہے ہر بستی پر جس کو ہم نے کھپا دیا کہ وہ نہیں پھرتے۔

صاحب تفسیر حسینی آیہ مذکور کے معنی یہ لکھتے ہیں وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وممتنع است از اہل دیہے

کہ مَا اَہْلَکْنٰہَا ہلاک کردیم ایشاں را اَنَّہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ آنکہ ایشاں باز نہ گردند بہ دنیا۔ یعنی حرام است بر ہلاک شدگان کہ بہ دنیا رجوع کنند بجہت تلافی اعمال و تدارک احوال و بعضے علماء اصل دانند نہ زاید و گویند معنی آیت این است کہ ممتنع است بر ہالکان و نشاید کہ رجوع نماید بحشر برائے حساب مالکہ سابند و محاسب شوند و قول اول اشہر است کہ ایشاں را رجوع بدان عالم نباشد و در قبور معذب باشند۔

غیر مہلوک یعنی جو لوگ قطرتی موت سے مرتے ہیں وہ تلافی اعمال سابقہ کے لیے دنیا میں آتے ہیں

آیت بالا سے نہایت واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ غیر مہلوک تلافی اعمال سابقہ اور تدارک احوال کے لیے دنیا میں آیا کرتے ہیں۔ ایک دوسری آیت سورۂ یٰسین میں ہے۔

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَہْلَکْنَا قَبْلَہُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّہُمْ اِلَیْہِمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ۳۶ : ۳۱ کیا نہیں دیکھتے کتنے کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں وہ ان پاس پھر نہیں آتے۔

اس سے زیادہ ثبوت دنیا میں بار بار آنیکا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنے خیالات کے لحاظ سے اس میں تاویل یا اس کے مطالب کو دوسری طرف پھیر دیں یا اپنی جدت پسندی سے نئے معنی پیدا کریں ایک اور جگہ سورہ مریم میں فرماتا ہے کہ

وَکَمْ اَہْلَکْنَا قَبْلَہُمْ مِّنْ قَرْنٍ ہَلْ تُحِسُّ مِنْہُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَہُمْ رِکْزًا ۱۹ : ۹۸ کتنے کھپا چکے ہم ان سے پہلے سنگتیں۔ آہٹ پاتا تو کسی کی یا سنتا ہے ان کی بھنک۔

جن لوگوں کو خدا عذاباً ہلاک کرتا ہے وہ دائرہ انسانیت سے گرا دیے جاتے ہیں۔

قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ جن اقوام نے آیات خدا سے انکار کیا اور ان کی تحقیر کی وہ اس قابل نہ رہے کہ ان کو طبقۂ انسانیت میں رکھا جائے بلکہ وہ دائرہ انسانیت سے گرا دیے گئے۔ اس خیال کی تائید آیت ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے ہوتی ہے۔ اسفل سافلین جاندار مخلوق کی جس میں انسان بھی داخل ہے پہلی کڑی ہے چونکہ ایسے انسان جو خدا تعالیٰ کی آیات کا انکار کریں اس قابل نہ تھے کہ وہ اُن احکام کو سمجھیں لہذا ان میں صلاحیت پیدا ہونے کے لیے از سر نو ان کو ترقی حاصل کرنا ضرور ہوا۔

انسانیت بھی انسان کے لیے خدا کی رحمت ہے اور حیوانیت میں گرا دینا سخت عذاب ہے۔ اس خیال کی تائید آیت ذیل سے بھی ہوتی ہے۔ فرماتا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اور کوئی ہلتا نہیں زمین میں نہ جانور ہے کہ اڑتا ہے

اِلَّا اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ دو پرندے مگر ایک ایک امت ہیں تمہاری طرح چھوڑی
شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ق ٥ ٦ : ٣٨ - نہیں ہم نے لکھنے میں کوئی چیز۔ پھر اپنے رب کی طرف اکٹھے ہوں گے

چرند و پرند بھی انسانوں کے ساتھ محشور ہوں گے

یہ امر ظاہر ہے کہ انسان ذی عقل اور صاحب ارادہ ہے اسی وجہ سے وہ مکلف ہے اور بوجہ اس کے کہ اس پر اپنے اعمال کی جوابدہی لازم گردانی گئی ہے۔ اس لیے خدا نے وعدہ فرمایا کہ تم نے اپنی زندگی میں جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ تم کو دیا جائیگا۔ اس لیے تم پھر زندہ کیے جاؤ گے اور اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔ بخلاف اس کے حیوان مکلف نہیں ہے اور نہ اس کو سزا و جزا سے کوئی تعلق ہے پس ان کا میدان حشر میں جمع ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ساہرہ یعنی میدان حشر جس کا ذکر سورۃ والنازعات میں ہوا ہے یہی دنیا ہے جس میں ہم محشور ہیں اور ہمارے ساتھ چرند و پرند بھی محشور ہیں۔

مخلوق جو ہلاک ہوئی ہو یا آنکہ اپنی فطرتی موت سے یا عذاب سے مری ہو۔ ہر دو اس عالم سے مفقود ہو چکے ہیں نہ بجز مہلوک اپنی اصلی حیثیت میں نظر آتے ہیں اور نہ وہ لوگ جو عذاباً فنا ہوئے۔ پھر خدا کا آیۂ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ میں بالتخصیص یہ سوال کہ "آیت پاتا ہے تو کیسی یا سنتا ہے تو بھنک" نہایت غور طلب۔ ہم جب اچھوں کی بھنک بھی نہیں سنتے ہیں تو یہ سوال خداوند کریم کا نہایت واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ اچھے لوگوں کی بھنک پہنچتی ہے گو لوگ اپنی جہالت سے نہ سمجھیں۔ پس ان واقعات کے معلوم ہونے کے بعد بھی اگر انسان اپنے خیالات پر اڑا رہے اور خدائی انتظام پر غور نہ کرے تو کیسے کسی نتیجہ پر پہنچے۔

اس مقام پر مولوی محمد علی ایم۔ اے مترجم و شارح قرآن انگریزی کا خیال بھی بتلایا جائے تو بے موقع نہ ہوگا۔ مولوی صاحب آیۂ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کے فٹ نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت سے اس امر کا حقیقی پتہ چلتا ہے کہ جو لوگ موت کا مزہ چکھ چکے ہیں وہ دنیا میں واپس نہیں بھیجے جاتے۔ اس کی تائید میں نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث پیش کی ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ خدا نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو کسی جہاد میں کافروں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے تھے پوچھا تم کیا چاہتے ہو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں پھر دنیا میں بھیجا جاؤں اور سچائی کے لیے پھر اپنی جان دوں۔ خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ وے پھر واپس نہیں جا سکتے۔ لہذا اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ جو مر جاتا ہے وہ دنیا میں پھر واپس نہیں آتا۔ اور اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جو قوم تباہ و برباد

کردی گئی وہ بھی واپس نہ ہوگی - مگر مولوی صاحب نے الفاظ قرآن پر غور نہیں فرمایا - یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو خدا سے باغی ہونے کے جرم میں ہلاک کیے گئے نہ کہ وہ لوگ جو معمولی موت سے مرتے ہیں اور زیر جس حدیث سے استدلال فرمایا ہے وہ استدلال بھی قابل لحاظ نہیں ہے کیونکہ جو لوگ محض سچائی کی خاطر اپنے جان و مال کو خدا کی راہ میں لٹا دیں ان لوگوں کا درجہ بہت اعلیٰ وارفع ہے - اُنھوں نے اپنی جملہ نفسانی خواہشوں کے بتوں کو حقیر و ذلیل سمجھکر سچائی پر قربان کردیا - گویا یہ لوگ روحی مقام پر پہنچ چکے اب ان کے واپس آنے کی ضرورت نہیں رہی دنیا میں بار بار واپس آنا روحی ترقی کے لیے ہے - جب وہ درجہ حاصل ہوچکا - اب واپس آنے کی شرط باقی نہیں ہے خدائی کارخانہ کے قانون مقررہ ہیں - کسی کے کہنے سُننے سے خدا تعالےٰ اپنے قانون کو توڑتا نہیں اگر خدا اس شہید کو پھر اس دنیا میں بھیجنا چاہے تو اس کو اختیار ہے مگر کہنے سننے پر وہ اپنے قانون کو توڑے یہ ناممکن ہے جو کچھ عمل ہونا ہے وہ وقت مقررہ پر ہو رہیگا -

اقوام عالم میں تناسخ کو کون ملنتے ہیں -

جملہ ہندوستان - چین - برما - وغیرہ جہاں تک ہندو و بدھ مذہب کے پیرو ہیں ان کا تو اس پر ایمان ہے ان کے علاوہ جس قدر قدیم ترین مذاہب ہیں - جیسے قدیم مصری - امریکائی - اور یورپ وغیرہ کے مذاہب سب تناسخ کے قائل ہیں - قدیم عیسائیوں میں تناسخ کا خیال رائج تھا - چنانچہ توریت میں پیشنگوئی ہے کہ حضرت موسیٰ علی نبینا علیہ السلام کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام آئینگے - مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں الیاس علیہ السلام بھی رہینگے - جب مسیح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا تو یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا کہ توریت میں پیشنگوئی ہے کہ مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں الیاس علیہ السلام بھی رہینگے تو الیاس علیہ السلام کہاں ہیں حضرت مسیح علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بتلایا کہ یہ روحی طور پر الیاس علیہ السلام ہیں - اس جواب کو یہود نے قبول نہیں کیا اور اُس وقت تک اس غلطی کی وجہ سے مسیح علیہ السلام کے آنے کے منتظر ہیں -

اس سے یہ پتہ چلا کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام روحی طور پر الیاس علیہ السلام ہیں - صحیح بخاری مترجمہ مولوی وحید الزماں پارہ ۱۳ - صفحہ ۳ ۵ میں ایک حدیث ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام حضرت ادریس علیہ السلام ہیں جن کا زمانہ حضرت نوح علیہ السلام کے قبل کا ہے اور حضرت الیاس علیہ السلام کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہے ہر دو زمانوں میں ہزاروں برس کا فصل ہے حدیث یہ ہے :-

یُذْکَرُ عَنْ ابنِ مَسْعُوْدٍ وَّ ابنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اِلْیَاسَ ہُوَ اِدْرِیْسُ — ابن مسعود اور ابن عباس سے منقول ہے کہ الیاس حضرت ادریس ہیں

امام محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فصوص الحکم کے باب فص الیاسیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام وہی ادریس علیہ السلام ہیں جو قبل نوح علیہ السلام کے تشریف رکھتے تھے جن کے نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔

یہ سلسلہ یوں ہی حضرت ادریس علیہ السلام بشکل الیاس تشریف لائے اور حضرت الیاس علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شکل میں ظہور فرمایا۔

کتاب تالمد جو یہود کی کتاب ہے اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہابیل جو آدم علیہ السلام کے فرزند تھے شیث علیہ السلام کی حیثیت سے ظہور فرمایا۔ اور شیث علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت سے[1]۔

عیسائیوں میں تناسخ کے خیال کی تجدید ہو رہی ہے اگر اس مقام پر انجیل کی چند آیتوں کا ذکر کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔

انجیل متی

آیت ۱۰۔ یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ[2] دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کریگا۔

آیت ۱۳۔ اور چاہو تو مانو ایلیاہ جو آنے والا تھا یہی ہے۔

متی ۱۷

آیت ۱۲۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انھوں نے اس کو نہیں پہچانا۔ بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا اسی طرح ابن آدم بھی اُس کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائیگا۔

آیت ۱۳۔ تب شاگرد سمجھ گئے کہ اس نے ہم سے یوحنا بپتسمہ دینے والے کے بابت کہا۔

یوحنّا

آیت ۱۔ فریسیوں میں سے ایک شخص نیکودیمس نام یہودیوں کا ایک سردار تھا۔

آیت ۲۔ اس نے یسوع کے پاس رات کو آکر کہا کہ اے ربی ہم جانتے ہیں کہ تو خدا کی طرف سے اُستاد

---

[1] کتاب دی انکارنیشن مصنفہ ای ڈی۔ واکر صفحہ ۲، مطبوعہ لندن

[2] ملاکی ۳۔

ہوکر آیا ہی۔ کیونکہ جو معجزہ تو دکھاتا ہی کوئی شخص نہیں دکھا سکتا جبتک خدا اُس کے ساتھ نہ ہو۔
آیت ۳۔ یسوع نے جواب میں اُس سے کہا میں تجھسے سچ سچ کہتا ہوں کہ جبتک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو خدا کی بادشاہت نہیں دیکھ سکتا۔
آیت ۴۔ نیکودیمس نے اس سے کہا آدمی جب بوڑھا ہو گیا تو کیونکر پیدا ہو سکتا ہی۔
آیت ۵۔ یسوع نے جواب دیا میں تجھسے سچ سچ کہتا ہوں کہ جبتک کوئی آدمی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔
آیت ۶۔ جو جسم سے پیدا ہوا ہی وہ جسم ہی اور جو روح سے پیدا ہوا ہی وہ روح ہی
آیت ۷۔ تعجب نہ کر کہ میں نے تجھ سے کہا تمہیں نئے سرے سے پیدا ہونا ضرور ہی۔
آیت ۹۔ نیکودیمس نے جواب میں کہا یہ باتیں کیونکر ہو سکتی ہیں ؟
آیت ۱۰۔ یسوع نے جواب میں اس سے کہا بنی اسرائیل کا اُستاد ہو کر کیا تو ان باتوں کو نہیں جانتا۔
آیت ۱۱۔ میں تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو ہم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں اور جسے ہم نے دیکھا ہی اس کی گواہی دیتے ہیں اور تم ہماری گواہی قبول نہیں کرتے۔
آیت ۱۲۔ جب میں نے تم سے زمین کی باتیں کہیں اور تم نے یقین نہیں کیا تو اگر میں تم سے آسمان کی باتیں کہوں تو کیونکر یقین کروگے۔

مرقس

آیت ۱۳۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور جیسا اس کے حق میں لکھا ہوا ہی اُنھوں نے جو کچھ چاہا اس کے ساتھ کیا۔

یہود کے بعض فرقے تناسخ کو مانتے ہیں۔ پارسیوں میں جو ماجی فرقہ ہی ان کا بھی یہی عقیدہ ہی۔
مسز آنی بیسینٹ جو تھیا سوفیکل سوسائٹی کی پریسیڈنٹ ہیں اور جنھوں نے تصوف کے بہت سے مسائل کا بیان کیا ہی اور مسٹر لیڈبیٹر جو سوسائٹی مذکور کے ایک ممبر ہیں مدعی اپنی پچھلی حالتوں کا پتہ نکالکر اس کا اظہار اپنی تصانیف میں کیا ہی۔
یونان کے اکثر فلاسفر اس کے معتقد تھے۔ چنانچہ فیثا غورث جو یونان کا پہلا حکیم اور بہت بڑا فلاسفر تھا اور جو اس بات کا قائل تھا کہ آفتاب مرکز عالم ہی اور کرہ زمین بطور سیارہ اس کے گرد گردش کرتی ہی

اس کی اس تحقیق سے علماءِ اسلام کو بھی خبر تھی اس کے نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تناسخ کا بھی قائل تھا۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک شخص کتے کو مار رہا ہے اور کتا چلاتا ہے۔ فیثا غورث نے اس شخص کو کتے کے مارنے سے منع کیا اور کہا کہ میں اس کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرا ایک دوست ہے جس کی روح اس کتے کے جسم میں آگئی ہو[۱]

اور خود فیثا غورث اور نیز دوسرے فلاسفر یونان اپنی پچھلی حالتوں کا علم رکھتے تھے۔

فیثا غورث کہتا ہی کہ میرے اس زمانہ سے تین سو برس قبل جو جنگ ہوئی تھی جس کو جنگ ٹرائی کہتے ہیں اس میں بحیثیت سپاہی شریک تھا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس کو مانتے تھے۔ چنانچہ اس کی تائید میں صحیح بخاری کی ایک حدیث پیش کی جاتی ہی۔

حدثنا یحییٰ ابن بکیر حدثنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب قال اخبرنی ابوسلمۃ ان عائشۃ اخبرتہ ان ابابکر رضی اللہ عنہ اقبل علیٰ فرس من مسکنہ بالسنح حتیٰ نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتیٰ دخل علیٰ عائشۃ فتیمم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مغشی بثوب حبرۃ فکشف عن وجہہ ثم اکب علیہ فقبلہ وبکیٰ ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتۃ التی کتب علیک فقد متھا۔

صحیح بخاری مترجمہ مولوی وحید الزماں جلد ۱ صفحہ ۳۶

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا کہا ہم سے لیث بن سعد نے اُنھوں نے عقیل سے اُنھوں نے ابن شہاب سے کہا مجھ کو ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف نے خبر دی ان کو حضرت عائشہ نے (جب آنحضرت کی وفات ہوگئی) ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک گھوڑے پر سوار اپنے گھر سے جو سنح میں تھا آئے۔ گھوڑے سے اتر کر مسجد میں گئے۔ کسی سے بات نہیں کی میرے حجرے میں آئے آں حضرت کی (نعش کی) طرف گئے آپ کو ایک یمن کے کپڑے سے ڈھانک دیا تھا۔ اُنھوں نے کپڑا اُٹھایا پھر آپ کے اوپر اوندھے گر کر روئے۔ بوسہ دیا۔ کہنے لگے میرے

---

[۱] حاشیہ برکتاب منقذ من الضلال امام غزالی از مولوی ممتاز علی صفحہ ۱۰۹

[۲] مری انکارنیشن صفحہ ۷۔ مصنفہ ای ڈی والکر مطبوعہ لندن۔

ماں باپ آپ پر صدقے۔ اللہ تعالیٰ دو بار آپ کو
نہیں مارنیگا۔ بس ایک موت جو اللہ تعالیٰ نے
آپ کے لیے لکھدی تھی فرمایا (اِنَّكَ مَيِّتٌ)
وہ ہو چکی۔

مسلمانوں کے موجودہ اعتقاد کے لحاظ سے ایک کافر اور مشرک کو بھی دو موتیں نہیں ہیں۔ چہ جائیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسبت ایک ایسا جلیل القدر صحابی خلیفہ اوّل و مسلم اول یہ فرمائے کہ خدا آپ کو دو موت نہ دیگا نہایت درجہ غور طلب ہے۔

جملہ صوفیائے کرام تناسخ کو مانتے ہیں۔ مگر انھوں نے اپنی اصطلاح میں اس کا ایک علحدہ نام۔ دور و بروز کا دیدیا ہے جو تناسخ کا مترادف ہے۔

میر سید شریف محشی مواقف جن کا شمار علماء میں ہی خود معتقد تناسخ تھے۔ چنانچہ شرح مواقف میں وہ تحریر فرماتے ہیں "بعضے از اشخاص مردیست کہ میگفت من یاد دارم زمانہ راکہ در بدن شتر بودم محشی آں گفتہ کہ آں شخص مبارک شاہ سلجوقی بود کہ میگفت وقتے بود کہ در بدن شتر بودم۔

در زبدۃ الاسرار میگوید کہ نفس ناطقہ ناقصہ بعد مفارقت بدن بہ بدن دیگر حیوانے یا انسانی انتقال کردہ کسب کمالات میکند۔

ملا محمد علی مشہدی در شرح باب الہدایت النہایت و سید عبد الاول در حاشیہ شرح حکمت العین و فاضل صدر الدین شیرازی در شواہد ربوبیہ میگویند کہ تناسخ در مذہب قدم محکم افشردہ است۔

چہرہ آرائے عرایش معانی بلا زمانی کہ اصلش از یزد است و وے از قائلین تناسخ بودہ گفتست کہ روح نظامی گنجوی در جسم خود ظہور نمودہ چنانچہ ایں خیال را بہ لباس قال در آوردہ۔

در گنجہ فروشدم نہ دیدہ ... از یزد برآمدم چو خورشید
ہرکس کہ چو مہر بر سر آید ... ہر چند فرورود برآید

سکندر نامہ صفحہ ۲۱۵ میں حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بہ ہندوستاں پیرانِ خرقہ ... بہ مردہ را ہمچیں گاؤ زاد
کجا گردد از سیل جائے خراب ... بجوئے دگر کس درآرد آب

شیخ الاشراقین درحکمت الاشراق و نیز علامہ شیرازی بشرح آں میگوید و تمسک بعض الاسلامیین بصحت التناسخ تمسک بہ آیات وحی نمودہ قائل شدند۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ کَانَ مِیْقَاتًا ‎o‎ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ‎o‎ ۷۸ : ۱۷ و ۱۸۔ کی تفسیر میں امام محی الدین ابن عربی تحریر فرماتے ہیں۔ یوم یفصل بین الناس ویفرق السعداء عن الاشقیاء و بین کل طائفۃ من الفریقین باعتبار تفاوت النہایت والصور والاخلاق والاعمال وتناسبہا یوم نفخ فی الصور بالایصال الارواح بالاجساد و رجوعہا الی الحیواۃ تفسیر امام عربی صفحہ ۳۶۸۔

آیت بالا کی تفسیر میں صاحب اعظم التفاسیر لکھتے ہیں کہ جس طرح اس عالم حیات میں ارواح کو ابدان سے تعلق ہے۔ اسی طرح مفارقت کے بعد بھی علاقہ روح کو بدن سے دوبارہ ہو کیونکہ جبتک روح کو بدن کے ساتھ تعلق نہ ہوگا اپنے کردار کی سزا یا جزا کس طرح پائے گی۔ انسان کے جملہ اعضا گل کر ریزہ ریزہ ہوجاتے ہیں مگر ایک ہڈی جس کو عجب الذنب کہتے ہیں باقی رہتی ہے۔ اس سے قیامت کے دن ترکیب خلق ہوگی۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ کی تفسیر میں صاحب تفسیر حسینی تحریر کرتے ہیں کہ۔ وزیکہ دمیدہ شود در صور نفخہ ثانیہ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا بیائید گروہ گروہ از قبرہائے خود بعرصہ گاہ محشر امام ثعلبی رح آوردہ کہ حضرت رسالت پناہ را از افواج پرسیدند فرمود کہ حشر کردہ شوند دہ صنف از امت من اول صنف بوزنگانے دوم برہیئت خوکاں۔ سوم نگونساراں کہ ایشاں را بر روئے بدوزخ میکشند و چہارم نابینایاں و پنجم کراں و گنگاں و ششم میخایند زبانہائے خود را و آں بر سینہ ہائے ایشاں افتادہ باشد و ریم از دہن ہائے ایشاں سیلاں میکند و اہل محشر را ازاں کراہت باشد و ہفتم دست و پا بریدہ باشند و ہشتم از دارہائے آتشیں آویختہ و نہم را نتنی تمام باشد بدتر از مردار و دہم را جبہ ہائے آتشیں پوشانیدہ باشند و از قطران جنیدہ بہ پوست ہائے ایشاں۔ اما بوزنگان سخن چنیاں باشند و خوکاں حرام خواراں و نگونساراں خورندگاں ربوا و کوراں جور کنندگان درحکم و گنگان و کراں آنہا کہ بہ اعمال خود متعجب بودہ اند و زباں خایندگاں علما کہ گفتار ایشاں مخالف کردار ایشاں بودہ است و دست و پا بریدگاں رنجانندگان ہمسایگاں بغیر حق و آویختگاں از دار غمازاں و سعایت کنندگان بسلاطین و حکام و آنہا کہ نتن عظیم دارند تابعان شہوت و باز دارندگان حق خدائے و پوشندگان لباس قطران اہل کبر و

نازش۔

مولوی شاہ عبدالعزیز دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اکثر فرق اہل تشیعہ از امیہ۔ کاملیہ منصوریہ۔ وہمریہ و باطنیہ وغیرہ وغیرہ گویند کہ بدن را معاد نیست ارواح را غیر آن عقوبت بلکہ درہمیں عالم متناسخ میشوند و انتقال میکنند از بدنے بہ بدنے دیگر اور کتاب کے خاتمہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ جماعتے از امامیہ و دیگر اہل تشیعہ قایل بہ رجعت شدہ اند۔

قوم بواہیر بھی تناسخ کی معتقد ہے۔

مولانا روم کے تبیع جو شام و روم میں بکثرت ہیں۔ بعض تناسخ کے قائل ہیں۔

مولانا روم کے خیالات کا اندازہ اشعار ذیل سے ہو سکتا ہے ؎

مصطفیٰ روزی بگورستان برفت — با جنازہ یارے از یاران برفت
خاک را در گور او آگندہ کرد — زیر خاک آں دانہ اش را زندہ کرد
این درختانند ہمچو خاکیان — دستہا برکندہ اند از خاکدان
سوئے خلقان صد اشارت میکنند — وانکہ گوش استش بشارت میکنند
تیزگوشان رازہا را بشنوند — غافلان آوازہا را نشنوند
با زبان سبز و با دست دراز — از ضمیر خاک میگویند راز
ہمچو بطان سر فرو بردہ بآب — گشتہ طاؤسان و بودہ چون غراب
در زمستان شان اگر محبوس کرد — ان غرابان را خدا طاؤس کرد
در زمستان شان اگرچہ داد مرگ — زندہ شان کرد از بہار و داد برگ

پس ز نفخ اینجہان و آنجہان — ماندہ اند این بے رہاں کاروم آن

از جمادی مردم و نامی شدم — وز نما مردم بحیوان سر زدم
مردم از حیوانی و آدم شدم — پس چہ ترسم کے ز مردن کم شدم
حملہ دیگر بمیرم از بشر — تا برآرم از ملایک بال و پر

وز ملک هم بایدم جستن ز جو ... کل شیءٍ هالک الا وجهه
بار دیگر از ملک قربان شوم ... آنچه اندر وهم ناید آن شوم
پس عدم گردم عدم چون ارغنون ... گویدم انّا الیه راجعون

تا بداند در چه بود آن مبتلا ... از کجاها در رسید او تا کجا
خاک زاد نطفه را و مضغه را ... پیش چشم ما همی دارد خدا
از کجا آوردمت اے بدنیت ... که از آن آید همی خفریقیت
تو بر آن عاشق بدی در دور آن ... منکر این فضل بودی آن زمان
این کرم چون دفع آن انکار تست ... که میانِ خاک میکردی نخست
حجتِ انکار شد انشار تو ... از دوا بدتر شد این بیمار تو
خاک را تصویر این کار از کجا ... نطفه را خصمی و انکار از کجا
چون در آن دم بیدل و بے سر بدی ... فکرت و انکار را منکر بدی
از جمادی چونکه انکارت برست ... هم ازین انکار حشرت شد درست
پس مثالِ تو چو آن حلقه زنیست ... کز درونِ خواجه گوید خواجه نیست
حلقه زن زین نیست دریابد که هست ... پس ز حلقه بر ندارد هیچ دست
پس هم انکارت مبین میکند ... کز جماد او حشرِ صد فن می کند
چند صنعت رفت اے انکار تا ... آب و گل انکار زاد از هل اتیٰ
من بگویم شرح این از صد طریق ... لیک خاطر لغزد از گفت دقیق

بیانِ اطوار و منازل خلقت آدمی از ابتدائے فطرت

آمده اول به اقلیم جماد ... وز جمادی در نباتی اوفتاد
سالها اندر نباتی عمر کرد ... وز جمادی یاد ناورد از نبرد
وز نباتی چون بحیوانی فتاد ... نامدش حالِ نباتی هیچ یاد

جز همه میلے که دارد نشوئے آن ‌ ‌ ‌ خاصه در وقت بهار خمر آن

همچو میل کودکان با مادران ‌ ‌ ‌ سر میل خود ندارد در لبان

جزو عقل این از آن عقل کل است ‌ ‌ ‌ جنبش این سایه زان شاخ گل است

سایه اش فانی شود آخر درو ‌ ‌ ‌ پس بداند سر میل جستجو

سایه شاخ درخت اے نیکبخت ‌ ‌ ‌ کے بجنبد گر نجنبد این درخت

باز از حیوان سوئے انسانیش ‌ ‌ ‌ میکشید آن خالقے که دانیش

همچنین اقلیم تا اقلیم رفت ‌ ‌ ‌ تا شد اکنون عاقل و دانا و زفت

عقلهائے اولینش یاد نیست ‌ ‌ ‌ هم ازین عقلش تحول کردنیست

تا رهد زین عقل پرحرص و طلب ‌ ‌ ‌ صد هزاران عقل بیند بوالعجب

گرچه خفته گشت و شد ناسی ز پیش ‌ ‌ ‌ کے گذارندش در آن نسیان خویش

باز از آن خوابش به بیداری کشند ‌ ‌ ‌ تا کند بر حالت خود ریشخند

گرچه غم بود آنکه میخوردم بخواب ‌ ‌ ‌ چو فراموشم شد احوال صواب

چون ندانستم که آن هم اعتلال ‌ ‌ ‌ فعل خواب است و فریب است و خیال

همچنین دنیا که حلم نایم است ‌ ‌ ‌ خفته پندارد که این هم دایم است

تا برآید ناگهان صبح اجل ‌ ‌ ‌ وارهد از ظلمت ظن و دغل

خنده اش گیرد ازین غمهائے خویش ‌ ‌ ‌ چون ببیند مستقر و جائے خویش

هرچه اندر خواب بینی نیک و بد ‌ ‌ ‌ روز محشر یک بیک پیدا شود

آنچه کردی اندرین خواب جهان ‌ ‌ ‌ گرددت هنگام بیداری عیان

تا مپنداری که این بد کردنیست ‌ ‌ ‌ اندرین خواب و ترا تعبیر نیست

بلکه این خنده بود گریه زفیر ‌ ‌ ‌ روز تعبیر اے ستمگر بر اسیر

گریه و درد و غم و زاری خود ‌ ‌ ‌ شادمانی دان به بیداری خود

اے دریده پوستین یوسفان ‌ ‌ ‌ گرگ برخیزی ازین خواب گران

گشته گرگان یک بیک خوهائے تو ‌ ‌ ‌ می درانند از غضب اعضائے تو

خون نخسپد بعد مرگت در قصاص / تو مگو که میرم و یابم خلاص

این قصاص نقد حیلت سازیست / پیش زخم آن قصاص این بازیست

زین لعب خواندست دنیا را خدا / کاین جزا لعب است پیش آن جزا

این جزا تسکین جنگ و فتنه است / وان چو اخصا رست وین چون ختنه است

این سخن پایان ندارد ای مولیا / هین رها کن آن خران را در کیا

ترقی کے عجیب وغریب مدارج کے لیے فنا اور نیستی ضرور ہے

تو از آن روزی که در هست آمدی / آتشی یا خاکی یا بادی بدی

گر بدان حالت ترا بودی بقا / کی رسیدی مر ترا این ارتقا

از مبدل هستی اول نماند / هستی دیگر بجای او نشاند

همچنان تا صد هزاران هستها / بعد یکدیگر دوم به ز ابتدا

این بقاها از فناها یافتی / از فنا پس رو چرا برتافتی

زان فناها چه زیان بودت که تا / بر بقا چفسیده‌ای ای بی‌نوا

چون دوم از اولینت بهتر است / پس فنا جوی و مبدل را پرست

صد هزاران حشر دیدی ای عنود / تاکنون هر لحظه از بدو وجود

از جمادی بے‌خبر سوی نما / از نما سوی حیات و ابتلا

باز سوی عقل و تمییزات خوش / باز سوی خارج این پنج و شش

این فناها از بقاها دیده / بر بقای جسم چه چفسیده

تازه میگیر و کهن را می‌سپار / که هر امسالت فزون است از سه پار

سر پنهان است اندر زیر و بم / فاش گر گویم جهان برهم زنم

دیوان مولانا رح

کدام دانه فرو رفت در زمین که نرست / چرا به دانهٔ انسانت این گمان بری

شمع جان را گر دراین لگن ترجیح کنی / دین لگن گر نبود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند زاختر وما   زعقل و روح حکایت کند قالب ما
ہزار مرغ عجیب از گل تو برسازند   چو ز آب و گل گذری تا در جہات کنند
من نہ خود آمدم ایں جا کہ بخود باز روم   ہر کہ آورد مرا باز برد در وطنم

آقا سید عبداللطیف خاں مرحوم بنی عم حقیقی میر عالم مرحوم وزیر اعظم ریاست حیدرآباد دکن اپنی کتاب تحفۃ العالم مطبوع مطبع اسلامی بمبئی ۱۲۶۳ء م ۷ ذی الحجہ الحرام ۱۲۶۳ھ کے صفحہ ۱۴۴ میں تحریر کرتے ہیں۔

حکایت عجیب متضمن حقانیت تناسخ نقل کنند از مردم آں دیار و مردم عظیم آباد کہ بممالک بنگالہ بجہت تجارت آمد و شد داشتند و از بعض انگریزان خیر فہم کہ بسفارت نزد راجہ آنجا رفتہ بودند شنیدم کہ راجہ در حین وفات کہ آثار موت بخود بیند امرا و اعیان سپاہی و رعایا را اصلائے عام دہد و بہ نیکو کاری وصیت کنند و گوید کہ من از میانہ شما میروم و در خانہ فلاں شخص از بطن فلاں باز بوجود می آیم۔ بشنیدن مردم ادائی را گوید اموال را تا وقتیکہ بظہور آیم درست متوجہ باشند و دعائے کہ دارد کنند و درگذرد و بعد از دو ماہ بہ آں زن آثار حمل پدید آید و بعد از نو ماہ پسر آورد و او را خارج بلد بجہت تربیت فرستند پس رشد کہ رسید خود تنہا از آں صحرا برخواستہ بشہر آید و بخانہ خود داخل شود و ہمہ جا سیر کند مانند کسے کہ سالہا در آں خانہ ماندہ باشد۔ کارکناں را باسمہ می طلبد و از ایشاں اموال و اسباب سلطنت را مطالبہ نماید۔ نشان و علامت ہر چیز باز گوید اگر زر است نقد مبلغ و سکہ و اگر چیزے دیگر است موافق علامتے کہ دارد ہمہ را بیان سازد مثل شخصے کہ از سفر آمدہ باشد و خانۂ خود موجودات بیند بعد از ظہور ایں ہمہ امارات او را بر مسند فرمانروائی نشانند و اگر کسے چیزے را از وے مخفی دارد خود در آں جا در آید و ہر جا کہ گذاشتہ است بردارد۔ و نیارے از نقد و جنس تغلب نشود و از وے مخفی نماند واللہ اعلم۔

قیامت کس کو کہتے ہیں

ایک سے زیادہ وقت انسان کے دنیا میں آنے کے متعلق جو کچھ آیات و دلائل ہم نے پیش کیے ہیں وہ ہماری بحث کے ثبوت کے لیے بہت کافی و وافی ہیں۔ مگر جن حضرات کو تناسخ کے ماننے میں تردد

ہے وہ اُن آیات کے متعلق یہ خیال ظاہر کرینگے کہ ان آیات کو ہم مانتے ہیں مگر اس کا عمل قیامت پر موقوف ہے اور قیامت ایک روز ہوگی جس میں خدا سب مخلوق کو اکٹھا کریگا اور اُن کو سزا و جزا دیگا۔ لیکن قیامت کے قبل دنیا میں بار بار آنے کا کیا ہوتا ہے۔ اس کے جواب کے لیے اب ہم کو قیامت کے متعلق غور کرنے کی ضرورت ہے۔ قیامت کس کو کہتے ہیں۔ قرآن کی لغت اور تفسیر خود کلام اللہ ہی ہے لہذا اس کی تلاش کلام اللہ میں کرنا ضرور ہوا۔ جب آیات کلام اللہ پر غور کیا جائے تو قیامت کی تفصیل کرنے والے اور قیامت کے معنی بتلانے والی آیات حسب ذیل نظر آتے ہیں۔

(۱) وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۖ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ۝ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ۝ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ۝ ۵۰: ۱۹ تا ۲۱

اور موت کی بیہوشی تو ضرور آکر رہے گی اور ہم اُس وقت آدمی کو جتا دینگے کہ یہی تو وہ (حالت ہے) جس سے تو گریز کرتا تھا اور صور پھونکا جائیگا۔ یہی وہ دن ہوگا جس سے ڈرایا جاتا ہے۔ اور ہر شخص حاضر ہوگا (ایک فرشتہ) اس کے ساتھ ہانکنے والا ہوگا اور (ایک) گواہ۔

(۲) وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمْآنُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهَ عِندَهُ فَوَفَّاهُ حِسَابَهُ ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ ۲۴: ۳۹

اور جو لوگ منکر ہیں ان کے اعمال جیسے چٹیل میدان میں چھلکتا ہوا ریت۔ پیاسا اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اُس کو کچھ نہ پایا۔ اور دیکھا تو خدا کو اپنے پاس موجود پایا اور اس نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ جلد حساب چکانیوالا ہے۔

(۳) وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهَٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَٰكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۳۰: ۵۵-۵۶

اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگار لوگ قسمیں کھائینگے کہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھیرے۔ اسی طرح یہ لوگ بہکے رہے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ جواب دینگے کہ تم تو (جیسا کہ) کتاب اللہ میں (ہے) اور

۳۰: ۵۵ و ۵۶-

قیامت تک ٹھیرے اور یہ روز قیامت ہے مگر تم کو یقین نہ تھا۔

(۴) وَقَالُوا أَإِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۚ بَلْ هُم بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَافِرُونَ ۝ ۳۲: ۱۰

اور کہتے ہیں کہ جب مٹی میں رل مل جائینگے تو کیا ہم نئے جنم میں آئینگے (یہ لوگ دوبارہ پیدا ہونیکے نہیں) بلکہ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونیکو نہیں مانتے)

(۵) فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً ۖ فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا ۚ فَأَنَّىٰ لَهُمْ إِذَا جَاءَتْهُمْ ذِكْرَاهُمْ ۝ ۴۷: ۱۸

تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ یکدم سے ان پر آنازل ہو سو اس کی نشانیاں تو آ ہی چکی ہیں۔ پھر جب قیامت ان کے سامنے آموجود ہو گی تو ان کا سمجھنا کیا مفید ہو گا۔

(۶) فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ۝ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَٰلِكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ۵۲-۴۵-۴۷

تو ان کو (ان کی حالت) پر رہنے دو یہانتک کہ وہ دن ان کے سامنے آموجود ہو جب کہ ان کو غش آجائے اس دن ان کے مکر ان کے کچھ کام نہ آئیں اور نہ ان کو مدد ملے اور ظالموں کو عذاب قیامت کے علاوہ اور بھی عذاب ہے مگر ان میں سے اکثر کو معلوم نہیں۔

(۷) وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ۝ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ۝ ۷۴: ۴۶ و ۴۷

اور ہم روز جزا کو نہیں مانتے تھے یہانتک کہ مرنے کے پیچھے آنکھ سے دیکھا تو ہم کو یقین آیا۔

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیتیں ہیں جو فٹ نوٹ میں دیے گئے ہیں

---

(۱) وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَا أَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلَيَأْتِيَنَّهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَوْمَ يَغْشَاهُمُ الْعَذَابُ مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ

اور جو لوگ جھوٹے (معبودوں) پر ایمان لائے اور اللہ سے پھرے ہوئے ہیں یہی تو گھاٹے میں رہینگے اور تم سے عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں اور اگر (عذاب) کا ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو ان پر عذاب آچکا ہوتا اور وہ دفعتاً ان پر آکر رہیگا

جملہ آیتہائے مذکورہ میں پورے طور پر ثابت ہے۔ قیامت موت ہی کو کہتے ہیں۔ مرنے کے بعد

تعلمون ۝ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَۃٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝

۲۹: ۵۲ تا ۵۷

اور اُن کو خبر بھی نہ ہوگی (اے پیغمبر) تم سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ دوزخ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جبکہ عذاب اُن کے اوپر سے اور اُن کے پیروں کے تلے سے اُن کو ڈھانکا ہوگا اور (خدا) فرمائیگا کہ جیسے جیسے عمل تم کرتے رہے اب ان کا مزہ چکھو۔ ہمارے بندو جو ایمان لائے ہو ہماری زمین فراخ ہے۔ ہماری ہی عبادت کرو۔ ہر جاندار موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ پھر ہماری ہی طرف لوٹا کر لائے جاؤ گے۔

(۲) فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ۝ ۳۰: ۴۳

تو اس سے پہلے کہ خدا کی طرف سے وہ روز آموجود ہو (جو) ٹل نہیں سکتا۔ دین (کے) سیدھے (رستہ) پر اپنا رُخ کیے رہو اس دن (مومن و کافر) جدا ہوجائینگے

(۳) یَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا ۳۰ - ۳۰ ۳۳ - ۶۳

لوگ تم سے قیامت کا حال پوچھتے ہیں۔ تم کہو کہ قیامت کی خبر تو بس اللہ ہی جانتا ہے تم کیا جانو شاید قیامت قریب ہی آ گئی ہو۔

(۴) وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ ۳۴-۹-۳۰

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب ہوگا کہو کہ تمہارے ساتھ جس دن کا وعدہ ہے تم اس سے ایک گھڑی پیچھے رہ سکو گے نہ آگے بڑھ سکو گے۔

(۵) وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ

اگر خدا لوگوں کو ان کی بد اعمالیوں کی پاداش میں پکڑتا تو روئے زمین پر کسی جاندار کو نہ چھوڑتا مگر کو وقت مقرر

اس کو سزا و جزا ملتی ہے اس کے بھگتنے کے لیے اس کو قبر سے اُٹھنا پڑتا ہے۔ آیات مذکورہ کے علاوہ

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ۝ ٣٥ : ٤٥

(یعنی) قیامت تک لوگوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب انکا وقت آ پہنچیگا تو اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

(٦) وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِن فَوَاقٍ ۝ ٣٨ : ١٥

اور یہ (کفار) بس ایک زور کی آواز کے منتظر ہیں (جو) نہیں دم نہ لیگی۔

(٧) أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِّن لِّقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ ٤١ : ٥٤

سنو جی یہ اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہونے کی طرف سے ہی شک میں ہیں۔

(٨) وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيبٌ ۝ ٤٢ : ١٧

تم کیا جان سکتے ہو شاید قیامت قریب ہو

(٩) قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ۖ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ٦٢ : ٨

جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو ضرور آکر رہیگی۔ پھر اس کے طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر جانتا ہے۔ پھر جیسے جیسے عمل کرتے تھے وہ تم کو بتا دیگا۔

(١٠) وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ

٦ : ٢٩ تا ٣١

اور کہتے ہیں کہ یہ جو ہماری دنیا کی زندگی ہے اس کے علاوہ اور کسی طرح کی زندگی نہیں اور یہ غلط ہے کہ ہم مرنے پیچھے جلا اُٹھائے جائینگے اور کاش تم دیکھو۔ جب یہ لوگ پروردگار کے روبرو لاکر کھڑے کیے جائینگے (اور وہ) پوچھیگا کیا یہ اُٹھنا اب بھی صحیح نہیں۔ وہ جواب دینگے ہم کو اپنے پروردگار کی قسم ہاں (خدا) فرمائیگا کہ تم جو انکار کرتے رہے۔ اب اس کی سزا میں عذاب چکھو۔ جن لوگوں نے اللہ کے حضور میں حاضر ہونے کو جھوٹ جانا وہ لوگ گھاٹے

(ملاحظہ ہو حاشیہ صفحہ ...)

ایک اور آیت ہم پیش کرتے ہیں جس میں کفار نے خاص قیامت کے متعلق سوال کیا تھا۔ اس کا جواب بالراست خدا ئے تعالیٰ نے دیا ہی۔ جس سے معاملہ زیر غور پر پوری پوری روشنی پڑتی ہے اس کے بعد کسی مزید تشریح کی ضرورت نہ ہوگی وہ آیت پارہ تبارک الذی سورۂ قیٰمہ کی ہے جس کی پوری نقل بیان کیے دیتے ہیں۔

یَسْئَلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ ؕ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۙ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۙ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۙ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۚ کَلَّا لَا وَزَرَ ؕ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ؕ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ ؕ لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ ؕ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ ۚ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَہٗ ؕ کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَۃَ ۙ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَۃَ ؕ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ۙ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ ۚ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَۃٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِہَا فَاقِرَۃٌ ؕ کَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ۙ وَقِیْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ۙ وَّظَنَّ اَنَّہُ الْفِرَاقُ ۙ وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ۨالْمَسَاقُ ؕ

۷۵ : ۶ تا ۲۵

پوچھتا ہی بھلا روز قیامت کب ہوگا۔ تو جب آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند یک جا کر دیے جائیں اس دن آدمی بول اُٹھیگا کہ اب کدھر کو بھاگ جائیں۔ بھاگنا تو نہیں ہو سکیگا کہیں پناہ نہیں۔ اس دن ٹھکانا تیرے پروردگار کے پاس ہوگا۔ اس دن انسان کو جتا دیا جائے گا کہ کیسے اعمال اس نے بھیجے ہیں اور کیسے آثار پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ بلکہ انسان اپنے مقابلہ میں حجت ہے۔ گو وہ بہانہ پیش لایا کرے۔ وحی کے لیے اپنی زبان نہ چلانے لگا یا کرو تاکہ تم کو وحی جلدی سے یاد ہو جائے۔ قرآن کا یاد کرا دینا اور اس کا پڑھا دینا ہمارا کام ہے تو جب ہم قرآن پڑھ چکا کریں تو اس پڑھنے کی پیروی کیا کرو۔ پھر اس کا سمجھا دینا ہمارا ہی کام ہے مگر تم دنیا کو دوست رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو۔ اس دن بہت لوگوں کے منہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰

میں رہے جب یک دم قیامت ان پر آموجود ہوگی تو چلا اُٹھینگے کہ اے افسوس ہماری کوتاہی

تر وتازہ اپنے پروردگار کو دیکھ رہے ہونگے۔ اور بہتیرے منہ اس دن برسے بن رہے ہوں گے (وہ) سمجھ رہے ہیں کہ اُن کے ساتھ ایسی سختی کی جانے کو ہے جو کمر توڑ دیگی۔ سنو جی جب بدن سے روح کھنچ کر ہنسلی تک آ پہونچے گی اور تیمار دار جلا اٹھینگے کہ کوئی جھاڑنیوالا ہے اور اس بیمار کو یقین ہو جائیگا کہ یہ دنیا سے مفارقت ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے گی۔ اس دن اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہوگا۔

اسی کی تصدیق آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے۔

من مات فقد قامت قیامتہ — جو مرگیا۔ تحقیق اس کے لیے قیامت قائم ہوگئی۔

---

(۱) وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ۝

۲۲ : ۵۵

جو قیامت کے بارہ میں ہم سے ہوئی اور اپنے بوجھ اپنے پیٹھوں پر لادے ہونگے۔

اور جو لوگ منکر ہیں وہ تو قرآن کی طرف سے ہمیشہ شک ہی میں رہینگے۔ یہاں تک کہ قیامت یکایک ان پر آموجود ہو یا منحوس دن کا عذاب ان پر آنازل ہو۔

(۲) فَذَرْهُمْ يَخُوضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ۝

۴۳ : ۸۳

تو ان لوگوں کو پڑے بکنے اور کھیل کرنے دو یہاں تک کہ جس روز کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یعنی (روز قیامت) ان کے سامنے آموجود ہو۔

حدیث بالا کے علاوہ اور احادیث سے بھی یہی پتہ چلتا ہے"

انس ان یعش ھذا الغلام فعسی ان لا یدرکہ الھرم حتیٰ تقوم الساعۃ حدیث ۱۲۷۷ تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ ۱۳۱۹ھ

مسلم میں انس سے روایت ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ لڑکا زندہ رہا تو اس کو بڑھاپا نہ آنے پائیگا کہ تمہاری قیامت قائم ہو جائے گی۔

جنگلی لوگوں نے حضرت سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی۔ اس قوم میں چھوٹا ایک لڑکا تھا اس کی طرف اشارہ کرکے یہ حدیث فرمائی۔

باب الخوف من اللہ حدثنا عثمان ابن ابی شیبہ حدثنا جریر عن منصور عن ربیع عن حذیفۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کان رجل ممن کان قبلکم یسی الظن بعملہ فقال لاھلہ اذا انا مت فخذونی فذرونی فی البحر فی یوم صائف ففعلوا فجمعہ اللہ ثم قال ما حملک علی الذی صنعت قال ما حملنی الا نفاقتک فغفرلہ پارہ ۲۶ صفحہ ۸۹ صحیح بخاری مترجمہ مولوی وحید الزماں۔

باب اللہ سے ڈرنے کی فضیلت۔ عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا کہا ہم سے جریر بن عبد الحمید نے انھوں نے منصور بن معتمر سے انھوں نے ربعی بن حراش سے انھوں نے حذیفہ بن یمان سے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا اگلی امتوں (بنی اسرائیل) میں ایک شخص کو اپنے بُرے اعمال کا ڈر تھا وہ (مرتے وقت) اپنے لوگوں سے کہنے لگا جب میں مر جاؤں تو میرا لاشہ لیکر اس کو ریزہ ریزہ کرکے سخت گرمی کے دن میں (جب زور کی ہوا چلا کرتی ہے۔ سمندر میں بکھیر دینا اس کے وارثوں نے ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشدیا۔

حدثنا موسیٰ حدثنا معتمر سمعت ابی حدثنا قتادہ عن عقبۃ ابن الغافر عن ابی سعید

حدیث بیان کی ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا ہم سے معتمر نے کہا میں نے والد سلیمان

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذکر رجلا فی
من کان سلف او قبلکم اتاہ اللہ مالا و
ولدا یعنی اعطاہ قال فلما حضر قال لبنیہ
ای اب کنت قالوا خیر اب قال فانہ لم
یبتئر عند اللہ خیرا فسرھا قتادۃ لم
یدخر وان یقدم علی اللہ یعذبہ فانظروا
فاذا مت فاحرقونی حتی اذا صرت فحما
فاسحقونی او قال فاسھکونی ثم اذا کان
ریح عاصف فاذرونی فیھا فاخذ مواثیقھم
علی ذالک وربی ففعلوا فقال اللہ کن فاذا
رجل قائم ثم قال ای عبدی ما حملک علی
ما فعلت قال مخافتک او فرق منک فما ای
ان رحمہ اللہ فحدثت ابا عثمان فقال
سمعت سلمان غیر انہ زاد فاذرونی فی البحر
او کما حدث وقال معاذ حدثنا شعبۃ
عن قتادۃ سمعت عقبۃ سمعت ابا سعید
عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحیح بخاری
پارہ ۲۶ صفحہ ۹۰۔ مترجمہ مولوی وحید الزمان۔

تیمی) سے سنا کہا ہم سے قتادہ نے بیان کیا
اُنھوں نے عقبہ بن عبدالغافر سے اُنھوں نے
ابوسعید سے (سعد بن مالک خدری رض) سے اُنھوں
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے
ایک اگلے زمانہ کے یا تم سے پہلے کے ایک
شخص کا ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال اور اولاد
دی تھی جب وہ مرنے لگا تو اپنے بیٹوں سے
کہنے لگا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا۔ اُنھوں نے
کہا بہت اچھا (شفیق) باپ۔ تب اس نے کہا
دیکھو میں نے اللہ کی درگاہ میں کوئی نیکی ذخیرہ
نہیں کی۔ قتادہ نے اس کی تفسیر یوں کی۔ یعنی
کوئی نیکی اللہ کے پاس جمع نہیں کی۔ اور اگر
میں خدا کے سامنے پہنچ گیا تو ضرور مجھ کو عذاب
ہوگا۔ تم ایسا کرنا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش
جلا ڈالنا جب جل کر کوئلہ ہو جاؤں تو خوب پیسنا
(ریزہ ریزہ کرنا) اور جس دن تیز آندھی ہو یہ
راکھ ہوا میں بکھیر دینا۔ (اڑا دینا) اس نے اپنی
اولاد سے قسم دیکر عہد و پیمان لیا (پھر دنیا سے
رخصت ہوا) اس کی اولاد نے ایسا ہی کیا اللہ
تعالیٰ نے ایک کلمہ فرمایا کُن۔ وہ شخص سامنے کھڑا
ہوگیا۔ پروردگار نے پوچھا میرے بندے
تو نے یہ حرکت کیوں کی اس نے عرض کیا پروردگار
فقط تیرے ڈر یا خوف سے اللہ تعالیٰ نے اس کا

بدلہ یہ کیا۔ اس پر رحم کیا۔ دسارے گناہ بخشدیے
سلیمان تیمی یا قتادہ نے یوں کہا میں نے یہ حدیث
ابو عثمان ہندی سے بیان کی اُنھوں نے کہا
میں نے سلمان فارسی سے سُنا وہ بھی ایسی ہی
حدیث بیان کرتے تھے۔ اس میں اتنا زیادہ
ہے۔ میری راکھ سمندر میں بکھیر دینا۔ یا یہہ کہ
ایسا ہی دوسرا کلمہ اور معاذ بن تیمی نے کہا
ہم سے شعبہ نے بیان کیا۔ اُنھوں نے قتادہ
سے کہا۔ میں نے عقبہ بن عبد الغافر سے سنا۔
کہا میں نے ابو سعیدؓ سے اُنھوں نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر یہی حدیث نقل کی

آیات بالا و احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد خدا کے حضور میں پہنچتا ہے خدا اُس کا فیصلہ فرما دیتا ہے۔ اس کی تعمیل کے لیے انسان پھر کھڑا کیا جاتا ہے۔ موت کو ہی قیامت کہتے ہیں اور موت ہی یوم جزا و یوم الدین ہے۔

زمین و آسمان و ستارہ غارت ہونے کے معنی اب رہا یہہ امر کہ زمین و آسمان و ستارہ غارت ہونا وغیرہ جو جو علامات قیامت میں بیان کیا گیا ہے اس سے کیا مطلب ہے۔

ان آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان از روئے صورت عالم صغیر مجمل ہے اور عالم انسان کبیر مفصل مگر از روئے مرتبہ انسان عالم کبیر ہے اور عالم انسان صغیر۔

اے آنکہ تراست ملک اسکندر و جم   از حرص مباش در پے نصف درم
عالم ہمہ در تست ولیکن از جہل   پنداشتۂ تو خویش را در عالم

در اصل اس جسم کے ٹوٹنے تباہ و برباد ہونیکی تعبیر ان آیات سے ہوتی ہے باسوا ازیں کفار عرب نہ تو خدا کو مانتے تھے نہ عاقبت کے قائل تھے نہ کتب سماوی کے معتقد نہ ملائک کے قائل تھے کوئی تو بتوں کی پرستش کرتا تھا۔ کوئی ستارہ پرست تھا۔ خدا نے اس سے اپنی قہاریت اور جباریت

اور قادر اور حکیم کے ثبوت میں ان اجرام فلکی کی بے حیثیتی ظاہر فرمائی ہے۔
اس سے اور بھی بہت سی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اس عالم کی کوئی چیز بھی فنا بمعنی لغوی ہونے والی نہیں ہے سب وقت بوقت اپنی حیثیت بدلتے رہینگے۔ اسی زمین کو لیجیے یہ بھی ایک سیارہ مثل دوسرے سیاروں کے ہے۔ زمین میں جو نشو و نما کا مادہ ہے وہ معدنیات سے تعلق رکھتا ہے۔ جب زمین سے معدنیات خارج ہو جائینگے جس کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

والقت ما فیہا وتخلت ۸۴ : ۴ اور نکال ڈالے جو کچھ اس میں ہے اور خالی ہو جائے

تو زمین سے نشو و نما کا مادہ جاتا رہیگا۔ جب زمین سے نشو و نما کا مادہ سلب ہو جائیگا تو زمین کی رونق میں فرق آجائیگا۔ یہانتک کہ بارش پر بھی اثر پڑیگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آفتاب سمندر کے پانی کو جلا دیگا۔ گویا زمین توے کی حیثیت کی ہو جائے گی۔ اس وقت اگر اس زمین سے آسمان کو دیکھیے تو آسمان کا رنگ تلچھٹ کا نظر آئیگا اسی کے نسبت اس آیت میں اشارہ ہے

یوم تکون السماء کالمھل : جس دن ہوگا آسمان جیسے تانبا پگھلا ہوا۔

یہ سب باتیں کلام اللہ بتلا چکا ہے۔
کہا جاتا ہے کہ ایک وقت چاند میں بھی آبادی تھی۔ پانی تھا ہوا تھی سب کچھ تھا اور اب نہ آبادی ہے نہ پانی ہے نہ ہوا ہے نہ کچھ اور۔ ایک زمانہ زمین کے لیے بھی آنیوالا ہے گو لاکھوں اور کروروں برس کے بعد کیوں نہ ہو۔ اس کا بھی وہی نتیجہ ہوگا۔ زمین پر جیسی آبادیاں قائم ہوتی ہیں اور بگڑتی ہیں ویران ہو جاتی ہیں۔ یہی حالت اجرام فلکی کی بھی ہے۔ ہمیشہ نئے کرے بنتے ہی چلے جاتے ہیں اور پرانے فنا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ عالم خدا نے بالکل حکمت اور قانون کا پابند بنایا ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی تیاری میں لاکھوں اور کروروں برس صرف ہوئے۔ حضرت انسان دنیا میں آباد ہوکر بھی ہزاروں برس کا عرصہ ہوتا ہے۔ حالانکہ ہماری تاریخ سے حضرت آدم علیہ السلام کا زمانہ سات آٹھ ہزار برس کے اندر کا ہے گر جدید تحقیقات و کھنڈر جو زمین مصر و بابل و نینوا سے برآمد ہوئے ہیں ان میں ان ان بادشاہوں کی تاریخیں اور واقعات بھی مٹی کی تختیوں پر اس وقت کی زبانوں میں لکھی ہوئی برآمد ہوئی ہیں۔ اہالیان یورپ نے ان مردہ علوم کو زندہ کیا ہے اور ان کا صرف و نحو و لغت وغیرہ تیار کر لیا ہے وہ کتبہ اس وقت لندن کے میوزیم میں موجود ہیں

جس سے پتہ چلتا ہی کہ آج سے پندرہ بیس ہزار برس قبل مصر میں اس وقت سے پیشتر تمدن تھا اس پر سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس درجہ کا تمدن کس مدت میں حاصل ہوا ہوگا - بہر حال یہ دنیا زمانہ جاہلیت کی نہیں ہی - جدھر دیکھیئے ہر فن کو اعلیٰ کمال پر پہنچانے کے درپے ہیں - اگر ہم اپنے خیالات کو اگلے زمانہ کے خیالات کے موافق ہی رکھینگے اور علوم سائنس کو ہیچ سمجھینگے تو یہ ہماری جہالت سمجھی جائے گی امام غزالی اپنی کتاب احیاء العلوم کے حال القلب بالاضافۃ الی اقسام العلوم میں تحریر فرماتے ہیں جو شخص عقل کو معزول کرکے محض تقلید کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے وہ جاہل ہی اور جو شخص صرف عقل پر بھروسہ کرکے قرآن و حدیث سے بے پرواہ بنتا ہے وہ مغرور ہی ہمکو دونوں کا جامع ہونا چاہیئے کیونکہ علوم عقلیہ غذا کی طرح ہیں اور علوم شرعیہ دوا کی طرح -

نظام الشمسی ایک ایسے زبردست اصول کے ساتھ قائم ہے کہ کہیں رتی برابر فرق نہیں پڑتا - اگر ایسے انتظام سے ستارہ جھڑ پڑیں گے تو آفتاب و ماہتاب اور خود یہ زمین بھی جو سیارہ میں داخل ہی جھڑ پڑیں گے - پھر تو کچھ بھی نہیں رہا - نہ زمین سے مردوں کے نکلنے کے لیے زمین ہی رہی - پھر عالم کا ہی خاتمہ ہو جائیگا - چلو چھٹی ہوئی - بہر حال ان مضامین کا تعلق علم ہیئت سے ہے - مذہب کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہی - اس کے نسبت ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ عالم کا تناسخ ہوگا - کیونکہ ہر چیز ترقی کرتی جانا ضرور ہی - کوئی چیز عالم کی اپنی حالت پر نہیں رہیگی - اس قسم کے جتنے بیانات ہیں سب استعارات ہیں - کلام اللہ میں ایک پیشگوئی ہے -

فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین ۝ سو تو راہ دیکھ جس دن آسمان دھواں صریح جو
یغشی الناس ھذا عذاب الیم ۝ ۴۴:۱۰-۱۱ گھیر لے لوگوں کو یہ ہے دکھ کی مار"

اب اس پر غور کیا جائے کہ اس کی تعبیر کس طرح پوری ہوئی اور واقعہ کیا تھا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا سے مکہ میں بہت شدید قحط پڑا - فاقہ کشی سے حالت بگڑ گئی - آسمان پر دھواں نظر آنے لگا - اب یہ پیشگوئی پوری ہوئی - مگر قیامت کی پیشگوئی اب تک بھی ہمارے خیالات کے مطابق پوری نہیں ہوئی جس کو عرصہ تقریباً تیرہ سو برس کا ہوتا ہے دراصل کیا ہے - قیامت کے معنی سمجھنے میں غلطی ہے - ہر ایک اہم واقعہ حشر کہلاتا ہے - چنانچہ بنی نضیر کے مدینہ سے نکالے جانے کے متعلق خدا تعالیٰ کلام اللہ میں فرماتا ہے -

هُوَ الَّذِیْٓ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ مِنْ دِیَارِھِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ط ۵۹ : ۲

وہی ہے جس نے کفار اہل کتاب کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا (یہ) پہلا حشر (تھا) جس کے لیے نکالے گئے۔

اور دوسری جگہ فرماتا ہے۔

یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ط یَوْمَ ھُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ذُوْقُوْا فِتْنَتَکُمْ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۵۱ : ۱۲-۱۴

پوچھتے ہیں روز جزا کب ہوگا۔ اس دن جب یہ لوگ آگ پر سینکے جائیں گے اپنی فتنہ پردازی کے مزہ چکھو۔ یہی تو وہ ہے جس کے لیے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

یوم الدین کے معنی اس آیت نے نہایت واضح طور پر صاف کر دیے ہیں جس میں کسی طرح بحث کی گنجائش نہیں رہی۔ اب بتلایے کہ ان کا یوم الدین اسی دنیا میں ہوا یا اس سے خارج میں کلام اللہ میں آگ ہمیشہ جنگ و فساد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔ کفار عرب جنگوں میں تباہ و برباد کر دیے گئے گویا ان کی قیامت ہو چکی۔ کلام اللہ میں جو کچھ الفاظ قیامت کے متعلق استعمال ہوئے ہیں وہ سب موت ہی کے معنی میں ہیں۔ بس ہر ایک اہم واقعہ قیامت یا حشر کے نام سے موسوم ہے موت سے زیادہ اہم واقعہ انسان کے لیے دوسرا نہیں ہے۔ اگر وہ قیامت نہ کہلائے تو اور کونسا واقعہ قیامت ہوگا۔ اور یہی قیامت سزا و جزا کی ہے۔ اس کے بعد ہی ہم سزا بھگتنے یا جزا حاصل کرنے کے لیے اس دنیا میں آتے ہیں۔ اسی کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْھِمْ نَارًا ط کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ط ۴ : ۵۶

جو لوگ منکر ہوئے ہماری آیتوں سے ان کو ہم ڈالینگے آگ میں جس وقت جل جائے گی کھال ان کی بدل دینگے ان کو اور کھال کہ چکھتے رہیں عذاب۔

قیامت کبریٰ قیامت کبریٰ جس کے متعلق ہم نے مختصراً اوپر بیان کیا ہے اور جس کو ہم نے عالم کا تناسخ قرار دیا ہے وہ ایک دوسرا واقعہ ہے۔ جس کو سزا و جزا سے تعلق نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے مرنے اور جینے کا بھی ایک دورہ لگا ہوا ہے جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات

مٹی کی قبر میں جاتا ہی اور ماں کے رحم کی قبر سے نکلتا ہی۔ انسان ہی پر غور کیجیے۔ بچہ سے بڑا ہوتا ہی بڑے سے بوڑھا ہوتا ہی۔ جب ضعیفی پوری ہوتی ہے تو اب پھر اس میں بچپنے کی حالت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ دورہ ختم ہوتا ہی اور پھر بَدَّلْنَا هُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لیکر بچپنے سے نیا وجود پاتا ہے۔ جیسا کہ خداوند کریم فرماتا ہے۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ٥ — جس کو ہم بوڑھا کریں اوندھا کریں۔ خلقت میں بھی یہی دورہ چلا آرہا ہے۔ ۳۶ : ۶۸

یہ خیال کہ دنیا کے خاتمہ کے بعد خداوند تعالی سب کو اکٹھا کر کے جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں چھوڑ دیگا۔ اب وہ ہمیشہ اسی میں رہینگے۔ کس حد تک صحیح سمجھا جاسکتا ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ خود خداوند تعالیٰ اپنے کلام میں جنت و دوزخ کے لیے زمین و آسمان کے قیام کی قید لگا دی ہی جیسا کہ فرماتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِيْنَ — جو لوگ نیکبخت ہیں وہ بہشت میں ہوں گے
فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ — جتنک زمین و آسمان ہیں برابر اسی میں رہینگے
اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ط ۱۱ : ۱۰۸ — مگر جس کو خدا چاہے۔

ہر شخص اس امر پر غور کرسکتا ہے جب زمین و آسمان غارت ہوجائیں تو جنت و دوزخ بھی غارت ہوگئے۔ یہ دعویٰ ہی باطل ہے۔

سزا و جزا سے مقصد کیا ہی۔ سزا و جزا کی ضرورت اس لیے واقع ہوئی جو بُرے لوگ ہیں ان کی بداعمالی کی پاداش میں ان پر ایسی مصیبت ڈالی جائے کہ دوسرے وقت ایسی حرکت ان سے سرزد نہو اور اس سزا سے ان کو عبرت ہو اور وہ انسان پھر انسانوں کی سوسائٹی میں شریک ہوسکے اور نیز دوسرے لوگوں کو جو اس کی اس مصیبت کو دیکھیں عبرت ہو اور ایسی بُری حرکت کرنے کی جرات نہ ہو۔ اور نیک لوگوں کو جنت میں بھیجنے سے یہ غایت ہے کہ نیک لوگ اپنی پارسائی کو قائم بلکہ اس میں مبالغہ کریں اور بُرے لوگ ان اچھے لوگوں کی خوش حالی کو دیکھکر اپنی اصلاح کے درپے ہوں۔ یہ اسباب سزا و جزا کے ہیں۔ جب ان سے سزا و جزا کو تعلق نہوگا تو گویا وہ سزا جزا بھی نہوگی۔ اور نہ اس کی اہمیت ہوسکتی ہے۔

یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ انسان دس بیس تیس چالیس سال دنیا میں رہتا ہے۔ اس سے جو حرکات ارادی یا غیرارادی اپنی جہالت اور بے سمجھی سے سرزد ہوتے ہیں اس کی اس کو ایسی شدید ترین اور سخت سزا دی جائے اور وہ بھی دوامًا اس سے بڑھکر کیا ناانصافی ہوسکتی ہے۔ پھر ایسے خدائے رحیم وکریم سے جس کا یہ دعویٰ ہو کہ ہمارے غضب سے رحم بڑھا ہوا ہے۔ قرآن کے ایسے معنی کرنے جس میں خدا کی حیثیت ایک جابر کی ہو جائے یہ ہمارا قصور ہے۔ حقیقتًا خدا کا رحم اس کے غضب پر فائق ہے۔ اس خدائے رحیم وکریم نے اپنی مخلوق کی ترقی کے لیے ایسی عمدہ شاہراہ ترقی کی قائم فرمائی ہے جس سے ہر شخص رفتہ رفتہ ترقی کی منزل پر پہنچنے کی توقع ہے۔ اور اس سے بہتر انتظام نہیں ہوسکتا

موجودہ خیالات کے لحاظ سے مسلمانوں کا مرنا بھی اطمینان کی حالت کا نہیں ہے کیونکہ ان کو ان کے اعمال کی وجہ سے ان کے خیالات یکجا نہیں ہیں اور یہ خوف لگا ہوا ہے معلوم نہیں مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ دراصل موت کا وقت ہی خیالات کے درست رکھنے کا ہے۔ مگر حالات موجودہ کے لحاظ سے اس کو اطمینان نہیں ہوسکتا۔ اگر اس کو اس بات کا یقین ہو کر ہمکو سزا اسی دنیا میں بھگتنا ہے تو موت تو اطمینان سے ہوگی۔

اس مقام پر اگر خداوندتعالیٰ کی رحمت کو وسعت کے ساتھ اگر بیان کیا جائے تو بے موقع نہوگا ہمارے خالق غفور ورحمٰن ورحیم کی شفقت پر اگر غور کیا جائے تو حدیثوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی شفقت سزاؤں کی شفقت سے بڑھکر ہے۔ اسی واسطے خداوندتعالےٰ نے اپنی حقیر مخلوق انسان کو کلام اللہ میں جابجا اس امر کی تلقین اور ترغیب دی ہے کہ اگر تم کو کسی سے ضرر پہنچے تم نے اس حدتک بدلے سکتے ہو جس حدتک تمکو نقصان پہنچا۔ پس اگر تم اس ضرر پہنچانے والے کو معاف کردو تو یہ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ یہ تلقین محض اس لیے ہو کہ اگر انسان دوسروں کی برائیوں پر مواخذہ کی ٹھانے رکھے تو اس کا اثر دل و دماغ و روح پر پڑیگا۔ اس سے اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور نفسانی جذبوں کا شکار ہوگا۔ اس لیے اس کی اصلاح کی عمدہ تعلیم یہی ہے کہ معاف کردیا جائے جس سے دشمن خود ذلیل ہوگا۔ اس کو اپنے عیب پر غور کرنے کا موقعہ اور اصلاح حال کی گنجائش ملیگی۔

خدائے غفور ورحمٰن ورحیم کا درجہ تو اعلیٰ وارفع ہونا چاہیے جس مخلوق نے جو کچھ اس کے

احکام کی بیوقعتی اپنی جہالت نادانی اور بے سمجھی سے کی ہو اس سے اس مخلوق کی یہ غایت نہ تھی کہ خدائی احکام کو ذلیل کیا جائے۔ بلکہ خدا کے رحم وکرم کے بھروسہ پر جو کچھ کرنا تھا کر گذرا پس ایسی حالت میں مقتضائے رحم وکرم یہ ہے کہ بدرجہ اولیٰ وہ بھی معاف کر دیا جانا چاہیئے تھا۔ کیونکہ جب یہ مانی ہوئی بات ہو کہ قیامت میں خدائے تعالیٰ اپنی مخلوق کا فیصلہ کرنے کے بعد جنت و دوزخ میں ان کو بھیجیگا۔ اُن میں وہ لوگ جبتک خدا کی مرضی ہو سزا و جزا پاتے رہینگے۔ اور پھر ان کو اپنی اصلاح حال کے لیے نہ کسی کوشش کی گنجائش ملے گی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جائیگی کیونکہ آیندہ ان سے کچھ کام لینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اسی کا نام نقص ہو۔ ایسا خدا رحیم وکریم نہیں کہلا سکتا۔ اور یہ امر بھی اس کی شان سے بعید ہے کہ دوسروں کو اچھی بات کی تلقین کرے۔ اور آپ خود اس اچھی بات پر عامل نہ ہو۔ اس سے جو کچھ ہمارے خالق کی رحیمی وکریمی کی داستان بیان کی جاتی ہیں۔ ان پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ اور ہمارے رحیم وکریم خدا کی حیثیت ایک ظالم کی ٹھہرتی ہے۔ پس اس کے نسبت اہل اسلام اگر غور کرینگے تو خدا کی حیثیت سنہ سزاؤں کی حکمت سے ترجیح تر ہو جائیگی۔ ورنہ اس کی ذمہ داری اس مخلوق پر ہوگی جو خدا کو ظالم ٹھہراتی ہے۔

قیامت میں مخلوق قبروں سے کس جسم سے نکلیگی۔

قیامت میں مخلوق کے اُٹھنے کے نسبت بھی اہل اسلام متفق نہیں ہیں کوئی تو اس امر کا قائل ہو کہ قیامت روحانی ہوگی۔ ثواب و عذاب روح پر ہوگا۔ یہاں تک مولوی محمد علی شارح و مترجم قرآن انگریزی ترجمۂ مذکور کی تمہید میں بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے مرنے کے بعد بھی اس کی روحی ترقی جاری رہیگی۔ اور روح ترقی کرتی چلی جائے گی۔ مگر بیان مذکور کے نسبت اُنھوں نے کوئی دلیل نہیں دی۔ یہ مولوی صاحب موصوف کا مجرد دعویٰ ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر لارڈ ہیڈلی نے اپنی کتاب مسس جیس اینڈ محمدؐ میں اس بیان کو دہرایا ہو جس پر میں نے لارڈ صاحب معزز سے اس کی دلیل طلب کی تھی مگر ہنوز کوئی جواب لارڈ صاحب موصوف کا نہیں آیا۔ اب ترجمۂ مذکور کے دیکھنے سے یہ پتہ چلا کہ اسی ترجمہ کی تمہید پر اُنھوں نے لکھا ہے۔ مولوی صاحب معز بھی قیامت روحانی کو مانتے ہیں اور جو آیتیں مرنے کے بعد اُٹھائے جانے کے متعلق کلام اللہ میں وارد ہیں۔ انکے نسبت کوئی شرح نہیں فرمائی۔ لفظی ترجمہ پر انحصار کر دیا گیا ہے۔ کلام اللہ میں ایک آیت نہیں ہے

پچاسویں مقام پر مرنیکے بعد اُٹھنے کا ذکر موجود ہے۔ مگر روحی قیامت کے خیال نے ان آیات کی شرح سے چشم پوشی برتی ہے۔

یہ امر ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد اعمال ساقط ہیں۔ چنانچہ مسلم نے اُس حدیث روایت کی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ہرگز تمنا نہ کرے ایک تمہارا موت کی اور اس کی دعا کرے پہلے اس سے کہ اس کو آئے۔ بیشک جبکہ مرتا ہے ایک تمہارا تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ اور بیشک زیادہ نہیں کرتی مومن کو اس کی عمر مگر خیر بہ[1]

جب عمل منقطع ہوچکا تو ترقی کیسے ممکن ہو اسی لیے کہا جاتا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرہ جو کچھ کمائی عمل کے ذریعہ سے اس دنیا میں کی جاتی ہے وہ آخرت میں کام آتی ہے۔ اس سے زیادہ نہیں اگر اس سے زیادہ ہو تو پھر دنیا میں آکر کمائی کرنا ہوگا۔ ساکنان جنت و دوزخ کے لئے خدائے تعالے نے جو قید الا ماشاء اللہ بھی لگا دی ہے وہ بھی اسی لحاظ سے ہے کیونکہ بغیر روح سے جُدائی یا بھلائی نہیں ہوسکتی تا آنکہ وہ اس مادی دنیا میں کمائی کرکے نہ لے جائے۔ انسان اس کمائی کی بدولت جنت و دوزخ کا مستحق ہوتا ہے۔ خود الفاظ الا ماشاء اللہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ انسان پھر دنیا میں آتا ہے اور کمائی لیکر جاتا ہے اور اس کمائی سے تمتع حاصل کرتا ہے دنیا کے کاروبار کی سزا دنیا میں ملنا ہی عین انصاف ہے چنانچہ بدر کی لڑائی میں جو کفار مارے گئے تھے ان کی طرف خطاب فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا بیشک خدائے تعالیٰ نے ہم سے جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچ ہوا۔ تم سے جو وعدہ ہوا تھا وہ کیا پورا ہوا۔ اس ارشاد نبوی کی تصدیق اسی دنیا کے متعلق تھی۔ اس کو خود مولوی محمد علی نے بھی قبول فرمایا ہے اور پھر مالک یوم الدین کی شرح میں یوم کے نسبت بیان فرمایا ہے کہ خدائی سزا کا عمل ہر وقت دنیا میں جاری ہے۔ اس خیال کا کہ ایک یوم خاص میں سزا کا عمل ہوگا۔ کہیں کلام اللہ کے الفاظ سے پتہ نہیں چلتا۔ اس آیت میں یوم الدین جو

جب دنیا میں سزا مل جائے تو عاقبت میں اسی جرم کی مکرر سزا نہ ہوگی ۔

[1] طلوع الفراسخ الی منازل البرازخ صفحہ ۱۳ باب ۳ حدیث ۲

آیا ہے وہ قانون سزا ہر وقت کام کر رہا ہے جب ہم اس کو قبول کریں تو پھر مولوی صاحب قیامت کا اقرار اور روحی سزا و جزا کو اس میں اضافہ فرماتے ہیں اس کی کیا ضرورت ہے جب انسان کو دنیا میں ایک سزا مل جائے تو دوسری سزا کا ہونا قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہ شرع شریف کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے۔ اس بارہ میں متعدد احادیث موجود ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بخاری کی حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) باب الحدود کفارۃ حدثنا محمد ابن یوسف حدثنا ابن عیینۃ عن الزھری عن ابی ادریس الخولانی عن عبادۃ ابن الصامت قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مجلس فقال بایعونی علی ان لا تشرکوا باللہ شیئاً فوقت فھو کفارۃ ومن اسا له من ذلک شیئاً ولا تسرقوا ولا تزنوا وقرا ھذہ الایۃ کلھا فمن منکم فاجرہ علی اللہ ومن اصاب من ذلک شیئاً فسترہ اللہ علیہ ان شاء غفر له و ان شاء عذبہ

صحیح بخاری مترجمہ مولوی وحید الزمان صفحہ ۱۱ پارہ ۲۷

باب حد قائم ہونے سے گناہ کا کفارہ ہو جاتا ہے
ہم سے محمد بن یوسف (فریابی یا بیکندی) نے بیان کیا کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابو ادریس خولانی سے انہوں نے عبادہ بن صامت سے انہوں نے کہا ہم ایک مجلس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پاس بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ نے فرمایا۔ مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو۔ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا۔ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا اور یہ آیت (سورۂ ممتحنہ کی) پڑھی۔ یا ایہا النبی اذا جاءک المومنات۔ اخیر تک فرمایا۔ پھر جو کوئی ان شرطوں کو پورا کرے اس کو تو اللہ پاس ثواب ملیگا۔ اور جو کوئی ان گناہوں میں سے کسی گناہ میں پھنس جائے پھر اس کو (دنیا میں) سزا مل جائے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو جائیگی اور جو کوئی ان گناہوں میں کوئی گناہ کر بیٹھے لیکن اللہ تعالیٰ (دنیا میں) اس کا قصور چھپائے رکھے تو آخرت میں اللہ کو اختیار ہے اگر چاہے اس کا

(۲) باب الرجم بالمصلى حدثني محمود حدثنا
عبد الرزاق اخبرنا معمر عن الزهري عن ابي سلمة
عن جابر ان رجلا من اسلم جاء النبي صلى الله
عليه وسلم فاعترف بالزنا فاعرض عنه
النبي صلى الله عليه وسلم حتى شهد على
نفسه اربع مرات قال له النبي صلى الله عليه
وسلم ابك جنون قال لا قال احصنت قال
نعم فامر به فرجم بالمصلى فلما اذلقته الحجارة
فر فادرك فرجم حتى مات فقال له النبي صلى الله
عليه وسلم خيرا وصلى عليه لم يقل يونس
وابن جريج عن الزهري فصلى عليه

صحیح بخاری مترجمہ مولوی وحید الزمان صفحہ پارہ ۲۸

گناہ بخش دے۔ چاہے اس کو عذاب کرے۔

باب عیدگاہ میں رجم کرنا۔ مجھ سے محمود بن غیلان نے
بیان کیا۔ کہا ہم سے عبد الرزاق نے کہا ہم کو معمر نے
خبر دی انھوں نے زہری سے انھوں نے ابوسلمہ
بن عبد الرحمن سے انھوں نے جابر بن عبد اللہ سے
ایک شخص اسلم قبیلے کا (ماعز بن مالک) آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور زنا کا اقرار کیا
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے
منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار بار اپنے
اوپر گواہی دی (چار بار گناہ کا اقرار کیا) تب
آپ نے اس سے پوچھا کہیں تو دیوانہ تو نہیں ہے
وہ کہنے لگا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا تیرا نکاح
ہو چکا ہے کہنے لگا جی ہاں۔ پھر آپ نے اس کے
رجم کرنے کا صحابہ کو حکم دیا وہ عیدگاہ میں رجم
کیا گیا۔ جب پتھروں کی مار اس کو لگی تو بھاگ نکلا
لیکن لوگوں نے پتھریلے میدان میں اس کو پکڑ پایا
وہاں مارا یہاں تک کہ مر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے اس کے حق میں اچھا کلمہ کہا۔ اور اس کے
جنازہ کی نماز پڑھی۔ یونس اور ابن جریج نے زہری
سے فصلی علیہ کا لفظ بیان نہیں کیا۔

مترجم حدیث مذکور کے حاشیہ میں بیان کرتے ہیں کہ ایک روایت میں یوں ہے کہ نہیں پڑھی
مگر اثبات مقدم ہے نفی پر اور جمہور علما کا یہی قول ہے کہ امام بھی اس پر نماز پڑھے۔ اور امام احمد سے
یہ منقول ہے کہ امام اور اہل فضل کو اس پر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ باقی لوگ پڑھ لیں لیکن غامدیہ کی

حدیث میں یوں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھی اور فرمایا اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے ماعز کے حق میں یہی فرمایا کہ کوئی توبہ ماعز کی توبہ سے افضل نہیں ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ماعز نے ایسی توبہ کی کہ اگر ایک امت پر بانٹ دی جائے تو سب کو کافی ہو۔ نسائی کی روایت میں یوں ہے میں نے ماعز کو دیکھا وہ بہشت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ عیش کر رہا ہے۔

قیامت میں مردوں کے اٹھنے کے نسبت مسلمانوں کے خیالات

کسی کا خیال ہے کہ سزا و جزا کے لیے جسم کی ضرورت ہے اور انسان میں ایک ہڈی ہے جس کو عجب الذنب کہتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتی۔ اسی سے قیامت میں انسان کی خلقت ہوگی کوئی کہتا ہے کہ خدا کے حکم سے انسان قبروں سے نکل آئینگے۔ یہ سب باتیں شعبدہ بازی سے کم نہیں ہیں۔ جیسے کہ فی زمانتا سینما میں دیکھا جاتا ہے اس کو حکمت اور قدرت سے کچھ تعلق نہیں

قیامت میں زمین سے مردوں کے اٹھنے کے متعلق کلام اللہ میں جو آیات ہیں اس کو ہم پہلے تحریر کرتے ہیں:۔

(۱) وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ ۷ : ۵۷

اور وہی ہے کہ چلاتا ہے بادیں خوش خبری لاتیں آگے اس کی مہر سے یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بدلیاں بھاری ہانکا ہم نے ان کو ایک شہر مردہ کی طرف۔ پھر اس میں اتارا پانی۔ پھر اس سے نکالے سب طرح کے پھل۔ اسی طرح نکالینگے مردوں شاید تم دھیان کرو۔

(۲) فَانْظُرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۳۰-۵۰

سو دیکھ اللہ کے مہر کے نشان۔ کیونکر جلاتا ہے زمین کو اس کے مرے پیچھے۔ بیشک وہ ہے مردے جلانے والا۔

(۳) وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ

اور اللہ ہے جس نے چلائی ہیں بادیں پھر ابھارتیاں

سحابا فسقناه الى بلد ميت فاحيينا به الارض بعد موتها كذلك النشور ۝

ہیں بدلی ہانکتے ہیں۔ پھر ہم ان کو ایک مرگئے دیس کو پھر جلائی ہم نے اس سے زمین اس کے مرگئے پیچھے اسی طرح ہے جی اٹھنا۔

۹ : ۳۵

(۴) والذی نزل من السماء ماء بقدر فانشرنا به بلدة ميتا كذلك تخرجون ۝

اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ناپ کر پھر ابھارا اس سے ہم نے ایک دیس مردہ۔ اسی طرح تم کو نکالینگے۔

۱۱ : ۴۳

(۵) واللہ انبتكم من الارض نباتا ۝ ثم يعيدكم فيها ويخرجكم اخراجا ۝

اور اللہ نے اگایا تم کو زمین سے جماکر پھر دوہرا کر ڈالیگا تم کو اس میں اور نکالیگا تم کو باہر۔

۱۸ و ۱۷ : ۷۱

(۶) ونزلنا من السماء ماء مباركا فانبتنا به جنت وحب الحصيد ۝ والنخل باسقت لها طلع نضيد ۝ رزقا للعباد ۝ واحيينا به بلدة ميتا ۝ كذلك الخروج ۝

اور اتارا ہم نے آسمان سے پانی برکت کا پھر اگایا ہم نے اس سے باغ اور اناج کٹنے کھیت کا اور کھجوریں لمبی انکا گابھا ہے تہ پرتہ روزی دینے کو بندوں کی اور جلایا ہم نے اس سے ایک مردہ دیس۔ یونہی ہے نکل کھڑے ہونا۔

۱۱ ، ۱۰ : ۵۰

(۷) یايها الناس ان كنتم فی ريب من البعث فانا خلقنكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغير مخلقة لنبين لكم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجكم طفلا ثم لتبلغوا اشدكم ومنكم من يتوفی ومنكم من يرد الی ارذل العمر لكيلا يعلم من بعد علم شيئا وتری الارض

لوگو اگر تم کو جی اٹھنے میں کسی طرح کا شک ہو تو ہم نے تم کو مٹی سے پھر نطفہ سے پھر خون کے لوتھڑے سے پھر پوری بنی ہوئی اور ادھوری بنی ہوئی بوٹی سے پیدا کیا تاکہ تم پر (اپنی قدرت) ظاہر کریں۔ اور پیٹ میں ہم جس کو چاہتے ہیں وقت مقرر تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکالتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی کوئی تو مرجاتا ہے اور کوئی کوئی سب سے

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ ۲۲ : ۵ تا ۷ -

زیادہ نکمی عمر کی طرف لوٹا کر لایا جاتا ہے کہ جاننے پیچھے کچھ سمجھے نہیں اور تو زمین کو دیکھتا ہے کہ بے حس و حرکت پھر ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے - اور ہر طرح کی خوشنما روئیدگی اگاتی ہے - یہ سب تصرفات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ برحق ہے - اور اس کی کہ وہ مردوں کو جلائیگا - اور اس کی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس کی کہ قیامت ضرور آنے والی ہے - اس میں کسی طرح کا شک نہیں اور اس کی کہ جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ ان کو اُٹھائیگا -

یہ جملہ سات آیتیں ہیں ان ماقبل چھ آیتوں کی پوری تفصیل اس ساتویں آیت سے کر دی ہے کہ انسان کی ماں زمین نہیں عورت ہے - اسی لیے خدا نے عورت کو زمین کے نام سے منسوب کیا جیسا کہ فرماتا ہے -

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۲ : ۲۲۳ اور پھر فرماتا ہے :-

تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں جس طرح چاہو آؤ -

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط ۲۵ - ۵۳ -

وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا پھر اس کو کسی کا بیٹا بیٹی اور کسی کا داماد بہو بنایا

ایک جگہ اور فرماتا ہے -

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۙ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ ۷۱ : ۱۷ و ۱۸

اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے اگایا پھر لوٹا کر اسی مٹی میں تم کو ملا دیگا - اور تم کو اسی مٹی سے نکال کھڑا کریگا -

آیات بالا کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا کہ آیت ہفتم نے پورے معاملہ پر روشنی ڈالی ہے اب دیکھا جائے کہ آیا انسان کی زراعت کی جو کھیتی ہے وہاں پانی برسایا گیا کہ نہیں اور اس پانی سے

وہ زراعت کیسی سرسبز اور اُبھرنے لگتی ہے اور جب وہ کھیتی ہے تو اُس کی حیثیت زمین کی ہے کہ نہیں۔ جب اس کی حیثیت زمین کی ہے تو کیا وہ قبر کی مصداق ہے کہ نہیں۔ خدا اس سے زیادہ واضح اور بین طریق سے اور کیا بیان کرتا۔ جیسے سورہ قیٰمہ کی آیت قیامت کو واضح کر دی ویسی ہی آیت متفق مردوں کے قبروں سے اُٹھنے کو نہایت واضح طور پر منکشف کر دی اور آیت ذیل اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

آیت ۵ میں جو بیان فرمایا گیا ہے کہ ثم نخرجکم طفلاً اس کے مقابلے میں آیت ذیل بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔

وَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝ قُلْ نَعَمْ وَأَنْتُمْ دَاخِرُونَ ۝ فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ۝

۳۰ : ۱۶ تا ۱۹

کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو کر رہ گئے کیا ہم اُٹھا کھڑے کیے جائینگے اور کیا ہمارے اگلے باپ بھی کہو ہاں اور تم ناتوان ہو گے اور وہ تو ایک جھڑکا ہوگا۔ ادھر جھڑکا ہوا ادھر سب دیکھنے لگے۔

یہ حدیث بھی ملاحظہ کے قابل ہے۔

حدثنا محمد بن كثير اخبرنا سفيان حدثنا المغيرة ابن النعمان قال حدثني سعيد ابن جبير عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال انكم محشورون حفاتاً عراةً غرلاً ثم قرأ كما بدأنا اول خلق نعيده وعداً علينا انا كنا فاعلين۔

ہم سے محمد بن کثیر نے بیان کیا۔ کہا ہم کو سفیان ثوری نے خبر دی کہا ہم سے سعید بن جبیر نے اُنھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا تم ننگے پاؤں ننگے بدن بن ختنہ حشر کیے جاؤگے پھر آپ نے (سورہ انبیاء کی یہ آیت پڑھی جیسے ہم نے پہلے بار پیدا کیا ویسا ہی دوبارہ بھی پیدا کرینگے۔ ہم اس کا وعدہ کر چکے ہیں جس کو پورا کرینگے۔

اس کے بعد ہم کو زیادہ وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث نے

جملہ معاملہ پر روشنی ڈالدی۔ اور یہہ حالت ہم اپنی آنکھوں سے اسی دنیا میں دیکھ رہے ہیں قرآن اور حدیث نے یہاں تک مذہبی زبان میں ممکن تھا بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ حدیث مذکور میں آیت کلام اللہ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے جس میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ جیسا اوّل وقت پیدا کیا گیا ویسا ہی دوبارہ بھی پیدا کرینگے۔

جب ہم اس امر پر غور کرتے ہیں کہ بلا ستر خدا کی عبادت کرنا اس دنیا میں جائز نہیں رکھا گیا ہے وہاں بروز قیامت خدا کے مواجہ میں عورت اور مرد اپنے ستر کے مقامات کھولے ہوئے جانا خدا تعالے کی غیوری پر اثر ڈالتا ہے۔ اگر یہہ اعتراض ہو کہ قبر سے مردہ اٹھینگے تو ختنہ کا ٹکڑا تو مردہ کے ساتھ قبر میں نہیں گیا پھر وہ ٹکڑا قبر سے کیسے اٹھے تو یہ جواب دیا جا سکتا ہو کہ جو چیز زمین میں خواہ کہیں بھی دفن ہو قبر میں بھی داخل ہے تو دوسرا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہی کہ انسان اپنی زندگی میں اپنے بال اپنے ناخن یا جو کچھ دندان جدا کیا ہے وہ بھی اٹھنا چاہیئے تھا صرف ختنہ کیے ہوئے ٹکڑے کی کیوں خصوصیت ہوئی اور پھر جب خدا اتنا بڑا قادر مطلق اور حکیم ہے مردے کی خاک کو فقط اپنی قدرت سے آنا فانا پتلا بنا کھڑا کر دیا۔ کیا اس میں اتنی قدرت نہ تھی کہ جو کفن دیا گیا تھا اس کو بھی مردے کے ساتھ اٹھا کر اپنی غیوری کا ثبوت دیتا۔ یہہ سب وہ ہدایت باتیں ہیں جس کی توضیح میں کوئی جواب بن نہیں پڑتا۔ بجز اس کے کہ اگلے زمانہ میں جبکہ دنیا کے علوم محدود تھے نہ علم کا چرچا تھا نہ غیر مذاہب سے واقفیت تھی اور کتب کا دستیاب ہونا نہایت درجہ دشوار تھا اور ہر شخص کو کتاب بہمدست نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ مطابع موجود نہ تھے۔ نہ مطبوعہ کتب نہ راستہ محفوظ تھے۔ بلکہ گھر کے باہر نکلنا بھی نہایت خطرناک تھا۔ نہ دماغی قابلیت کو ترقی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اپنی سمجھ کی مطابق سمجھ لیا۔ اب اس زمانہ میں جبکہ تمام دنیا کے علوم خواہ دینی ہوں یا دنیوی اور چھاپے کے رواج کی وجہ سے بہت کم صرفہ پر ہر ایک کتاب ہر شخص کو بسہولت بہمدست ہو سکتی ہو اب بھی معاملات پر پردہ پڑا رہے ناممکن ہی۔

خدا کا یہہ فرمان کہ جملہ انبیا علیہم السلام نے اصولی الٰہی تعلیم دی ہی باطل ہوا جاتا ہے مرنے کے بعد اُٹھنے کا بیان جملہ دوسرے ادیان میں بحیثیت تناسخ ہے۔ یہودی عیسائی اور اسلامی ادیان میں قیامت قرار دیا جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ نیر اصطلاحی لفظ پر بحث نہیں ہو سکتی اگر ان سب [illegible]

غور کیا جائے تو انسان کسی نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ ذاتی اور موروثی خیالات کو تھوڑے عرصہ کے لیے دور کر دے۔

آیت ہفتم میں خدا تعالیٰ کا فرمان اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ سے کیا مطلب ہے۔ قبر میں مردہ کے سڑنے اور گلنے کے بعد مٹی رہ گئی ہو کیا اس مٹی سے انسان مجسّم اب آناً فاناً بن کر اٹھیگا۔ بظاہر الفاظ گڑھا ہوا جسم اُٹھنے کا پتہ نہیں چلتا۔ بخلاف اس کے دوسری جگہ خداوند تعالیٰ بصراحت فرمایا ہے کہ اس کے جسم کے مانند دوسرا جسم اس گڑھے ہوئے کو دیا جائیگا۔ وہ آیت یہ ہے:

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ تُوقِدُونَ ۝ أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ ۝

۳۶: ۷۷ تا ۸۱

کیا آدمی کو معلوم نہیں کہ ہم نے اس کو نطفہ سے پیدا کیا پھر وہ لگا کھلم کھلا جھگڑنے اور لگا ہماری نسبت باتیں بنانے۔ اور اپنی اصالت کو بھول گیا کہتا ہے کہ کون ہے کہ ہڈیاں گل گئی ہوں اور وہ اُن کو جلا کھڑا کرے۔ کہو کہ جس نے ہڈیوں کو اول بار پیدا کیا تھا وہی ان کو جلا اُٹھائیگا۔ وہ سب طرح کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ وہی تو ہے کہ ہرے درختوں سے تم لوگوں کے لیے آگ پیدا کرتا ہے پھر تم اُس سے سلگاتے ہو۔ کیا جس خدا نے آسمان و زمین پیدا کیے وہ قادر نہیں کہ ان جیسے پیدا کرے۔ ہاں وہ بڑا ماہر پیدا کرنے والا ہے

دوسری آیت سورہ واقعہ کی ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ۝ أَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ۝ أَأَنْتُمْ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ۝ عَلَىٰ أَنْ نُبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ

ہم ہی نے تم کو پیدا کیا تو تم سچ کیوں نہیں مانتے بھلا دیکھو تو کہ منی جو تم پہنچاتے ہو کیا اس کا آدمی تم بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم ہی نے تم لوگوں میں موت کا قرار داد کر دیا ہے اور ہم اس سے عاجز نہیں کہ تمہاری شکلیں بدل دیں

لَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَۃَ الْاُوْلٰی فَلَوْلَا تَذَکَّرُوْنَ ۝ ۵۶ : ۶۲

اور ایک اور ہستی میں جس کو تم نہیں جانتے تم کو بنا کھڑا کریں اور تم تو پہلے بنانے کو جان ہی چکے ہو تو کیوں نہیں سوچتے۔

ان ہر دو آیات سے اس خیال کا پورا بطلان ہوتا ہے کہ جو جسم قبر میں مدفون تھا اور اب جس کی صرف مٹی باقی رہ گئی ہے وہ تو نہیں اٹھتا۔ اگر اٹھیگا تو اس کا مثل۔ مثل سے یہ خیال کرنا چاہیے کہ جسم مثالی۔ جب انسان کی روح قالب پر سے تصرف اٹھا لیتی ہے تو فوراً ہی آپ اپنا مثالی جسم حاصل کر لیتی ہے۔ جب مثالی جسم موجود ہے تو پھر خدائے تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ سے دوسرے مثالی جسم کا استدلال صحیح نہیں ہے کلام اللہ اور احادیث سے قیامت جسمانی کا ہونا قطعاً ثابت ہے اور کسی کو اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں سے جو روحانی قیامت کے دعویدار ہیں ہم کو بحث نہیں۔ قیامت روحانی کا دعویٰ حقیقتاً در پردہ سزا و جزا کا انکار ہے۔ آیت بالا میں اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ سے مراد اسی خاکی جسم سے ہے۔ کیونکہ سوال اسی مٹی کے جسم کا تھا جس کی مزید توضیح خداوند تعالیٰ نے یہاں فرمائی ہے۔

پھر آیت بالا میں نُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ نے اور دشواری پیدا کی ہے جب اٹھنے والے کو اپنی خبر نہ ہو تو پھر اس کی سزا و جزا کے متعلق کیا خبر ہو سکتی ہے۔ جب اس کو اپنے فعل کی خبر نہ ہو۔ پھر سزا و جزا کیسی۔ یہ اعتراض اس حالت میں صحیح مانا جا سکتا ہے۔ جب فیصلہ کنندہ عالم الغیب نہ ہو ایسی حالت میں انسان اصول انصاف کے لحاظ سے ملزم کو الزام بھی بتلاتا ہے اور اس سے صفائی بھی چاہتا ہے۔ ہر بیں خیال کہ ملزم اپنی صفائی سے اپنی برات حاصل کرے۔ مگر خدا کا معاملہ دوسرا ہے وہ جو سزا تجویز کرتا ہے وہ فعل کی حیثیت سے نہیں بلکہ فاعل کی نیت پر فیصلہ صادر کر دیتا ہے اس کے فیصلہ سہو اور غلطی سے پاک اور قطعی ہوتے ہیں۔ جو لوگ اس قسم کے اعتراض کرتے ہیں وہ بیہودگی میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ اگر انسان کو اپنی پچھلی حالت کا خیال رہتا تو اس سے آئندہ اپنے کاروبار میں ترقی کرنے کا خیال نہ ہوتا۔ وہ اپنے پچھلے خیال میں محو رہتا۔ بہتر یہی ہے کہ فقط روح پر اس کا تجربہ منقش ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اطفال کیسے ذہین اور کیسے پختہ مغز اور کیسے ہوشیار ہوتے ہیں جو بڑوں کے کان کاٹتے ہیں۔ یہ انھیں پچھلے تجربوں کا نتیجہ ہے۔ اگر روح بالکل کوری رہتی جب

اس کو جسم ملتا تو ابتداً مثل ایک حیوان کے ہوتی۔ اس میں انسانیت کا نشان نہ ہوتا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت انسان ابتداً جبکہ ان وجود دنیا میں ہوا ہو ہزاروں برس تک آوارہ اور مثل حیوان کے نہ گذرے ہوں۔ کیا ہم اس وقت بھی امریکہ اور آسٹریلیا کے قدیم انسانوں کو نہیں دیکھتے جو اس وقت بھی خال خال موجود ہیں جو مثل حیوانوں کے اپنی زندگی گذارتے ہیں۔ ہزاروں برس میں بھی وہ تمدن کی ہوا سے بے بہرہ ہیں۔ کیا ہم پہاڑی اقوام کو جو خود اس ہندوستان میں ہیں نہیں دیکھتے کس درجہ پست حالت میں ہیں ان کی حالت ذرا سی بھی وہ صلاحیت نہیں پیدا ہوئی جو متمدن اقوام میں ہے۔ گویا یہ لوگ ابھی متمدن دنیا میں نہیں آئے ہیں۔ قریب قریب وہی حیوانیت ان میں باقی ہے۔ بجز وقت بوقت تجربہ حاصل کرنے کے ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس مضمون پر ہم نے تفصیل وار بیان اس کتاب کے حصہ دوم میں کیا ہے۔

مرنے کے بعد ہی جو کچھ بازپرس ہوتی ہے ہو رہتی ہے اس کا فیصلہ صادر ہو جاتا ہے۔ اسی فیصلہ کے مطابق وہ حضرات خواہ تناسخ کا انکار ہی کریں جزا و سزا پانے کے لیے عالم اجسام میں حیران و پریشان رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد سے عالم اجسام میں موجود ہونے تک جو کچھ حالت ہے وہ محض روحی ہے اور جو کچھ ان کا روبار کا اثر روح میں سرایت کیا ہے وہ گویا روحانی سزا سے موسوم ہو سکتا ہے جس کو بھگتنا پڑتا ہے اور حقیقی سزا اس عالم میں شروع ہوتی ہے۔ اور یہ کہ ایک روز خاص میں کل مخلوق اکٹھا کی جا کر ان کا فیصلہ ہونا کلام اللہ سے اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے بلکہ آیت ۴۴ متعلقہ صفحہ ... سے اس کا بطلان ہوتا ہے۔

کلام اللہ کے معنی انسانی زبان کے لحاظ سے نہیں کی گئی ہے

کلام اللہ کے مطالب سمجھنے میں جو دقتیں اور زیادہ دشواریاں پیدا ہوئی ہیں اور علماء و مفسرین نے جو قلم فرسائیاں کی ہیں۔ اس سے معاملہ پر ذرہ برابر روشنی نہیں پڑتی۔ بلکہ ان کا معاملہ پیچ در پیچ ہو کر اور الجھ گیا جس کا سلجھنا محض ناممکن اور ناقابل حل ہے اور یہ دشواری اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ ہم نے کلام اللہ کے معنی اپنی زبان کے معنی کی حیثیت سے نہیں کیا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔

فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ۝ ۵۱:۲۳

تو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ (قرآن) برحق ہے جس طرح کہ تم کلام کرتے ہو۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ ۳۹:۲۸

یہ قرآن عربی ہے اس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہیں تاکہ اس کو سمجھ کر خدا سے ڈریں۔

تیسری جگہ فرماتا ہے

هُوَ الَّذِيْ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ
هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ٦ : ٣

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اُتاری جس میں سے
بعض آیتیں پکی ہیں کہ وہی اصل کتاب ہیں اور بعض
دوسری مبہم۔

چوتھی جگہ فرماتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ
يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ١ – ١٨ : ١٢

ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندہ پر
قرآن اتارا اور اس میں کجی ذرا نہ رکھی۔

پانچویں جگہ فرماتا ہے۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ
وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ٩٧ : ١٩

تو ہم نے اس کو تمہاری زبان میں اس غرض سے
آسان کر دیا ہے کہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری
سناؤ اور اکھڑ لوگوں کو ڈراؤ۔

ان آیات میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن انسانوں کی بول چال کی زبان میں ہے۔ اس میں کچھ کجی نہیں۔ ہمارا کلام بالکل صاف اور سلیس ہے۔ جب اس امر پر غور کیا جائے کہ یہ کلام کونسی قوم کی ہدایت کے لیے نازل کیا گیا جو اجہل تھی۔ جن کو علم و عقل سے سروکار نہ تھا۔ جن کی زندگی جہالت اور خونریزی میں صرف ہوتی تھی۔ بھلا کیا ممکن ہے کہ خدا ایسی قوم کی ہدایت کے لیے ایسی پیچیدہ اور عجائب پرستی کی تعلیم دیتا یہ بالکل لغو خیال ہے۔ کلام بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ دنیا کا دستور العمل باضابطہ ہے۔ جب ہم اپنی زبان میں بات کرتے ہیں تو مجرموں کو کن کن طریقوں سے تخویف اور تہدید کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اچھے ہوتے ہیں ان کے مدارج کیسے بلند کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کی غیر معمولی جدت پسندی کرنا اور ان کو اس مادی دنیا سے خارج ایک علٰحدہ روحانی کارخانہ قائم کرکے مادی کاروبار کا اطلاق روحی کاروبار میں شریک کریں تو اس کے معنے کیسے چسپاں ہو سکتے ہیں۔ لامحالہ اس میں معقولی طریق سے شدید ترین دشواریاں لاحق ہونگی۔ اور پھر بھی معاملہ پر روشنی نہیں پڑتی۔ سلجھنے کے عوض الجھ کر جو توضیح کی جائے گی اس پر اور اعتراضات وارد ہوتے جائینگے۔

پھر کیا خدا کا انصاف ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو کچھ دنیا میں کیا یعنی لوگوں کا مال کھایا یا کسی کو ضرر پہنچایا۔ یا آنکہ کسی کی جان لی تو بموجب آیہ کریمہ۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰى إِلَّا مِثْلَهَا ۳۹: ۴۰ — جس نے کی ہو بُرائی وہی بدلہ پائیگا اُس کے برابر۔

اس سے اتنا ہی مواخذہ چاہئے ہے جتنا کہ متضرر کو پہنچا۔ بخلاف اس کے اس کی سزا جہنم ہو تو یہ کون انصاف ہے۔ اور خداوند کریم کا یہ فرمان۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۳: ۲۴ — اور ہر جی کو بھر پایا اُس نے اپنا کیا پورا بھر دیا جائیگا اور لوگوں پر ظلم نہ ہوگا۔

کہاں پورا اتر سکتا ہے۔ اب اس میں تطابق ہو تو کیسے ممکن ہے۔ اگر آتش دوزخ کے معنی روحی تکلیف تو اس معنی سے کیا انصاف ہوگا۔ اگر مجرم اپنے اعمال کی مناسبت سے مصیبت روحی میں مبتلا ہے تو متضرر کو اس سے کیا بدلہ ملا۔ اگر حقیقتاً خدا نے کوئی بھٹی آگ کی خارج از دنیا لگا رکھی ہے تو وہ سزا متضرر کو کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ کچھ نہیں۔

یہ اعتراضات ہر آیت کے معنی میں جدت پسندی سے پیدا ہوتے ہیں۔ مادی دنیا کے کاروبار کا تصفیہ مادی دنیا میں ہو تو نہ آیات کے تاویل کی ضرورت ہے نہ جدت پسندی کا موقعہ ہے بلکہ جو جیسا کیا ویسا ہی اس کے ساتھ سلوک ہونا جیسا کہ کلام اللہ نے دعوی کیا ہے پورا پورا اترتا ہے۔ ان سب باتوں کا تصفیہ بلا تاویل اپنے اصلی معنی کی حیثیت سے تناسخ کو ماننے میں حاصل ہے۔ لفظوں پر بحث کرنے سے کچھ نتیجہ نہیں۔ خدائے تعالی نے مرنے کے بعد اعمال کی جواب دہی کے لیے پھر زندہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ جس کو اسلامی اصطلاح میں قیامت کہتے ہیں۔

جنت و دوزخ یہ بھی استعارات ہیں جن کے حقیقی معنی راحت اور عذاب کے ہیں۔ خدائے تعالی نے راحت و عذاب یعنی جنت و دوزخ کے الفاظ میں کوئی خصوصیت نہیں فرمائی ہے۔ جیسے دنیا کے باغات کے نسبت جنت کا اطلاق ہوا ہے اور مادی دنیا کے اشیا کا ذکر ہے ویسے ہی وعید میں بھی عمل ہے۔ انسان جو کچھ نیکی اور بدی کی حیثیت سے اس دنیا میں عمل کرتا ہے اس کا بدلہ اس دنیا میں مل جاتا ہے۔ جس کا بدلہ نہ ملا ہو اُس کو دوسری قسم کا عذاب ہونا صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ اس وجہ سے کہ شخص فوت شدہ کا حشر اسی زمین پر ہوگا۔ اور اسی زمین کا قانون اس پر جاری ہونا لازم آتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مضنون میں بیان فرماتے ہیں۔ بہشت کی جسمانی لذتیں معجزہ کی طرح تین قسم کی قرار دی جا سکتی ہیں۔ حسی۔ خیالی و عقلی۔ حسی۔ یعنی کھانا پینا۔ لباس مکان وغیرہ۔ خیالی

جیسے آدمی خواب میں کھانے پینے کا لطف اُٹھاتا ہے۔ عقلی کے یہ معنی کہ بہشت میں جو روحانی لذتیں حاصل ہونگی۔ اُن کو آبِ شیریں چشمہائے رواں۔ ایوان ہائے بلند۔ میوہ جات لذیذ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چونکہ روحانی لذات کے بہت سے اقسام ہیں۔ اس لیے ہر لذت کو ایک خاص جسمانی لذت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور پھر تحریر فرماتے ہیں جو شخص تقلید کا شیفتہ ہے اور صورت پرست ہی اور حقیقت کی راہیں اس پر نہیں کھلی ہیں اس کے سامنے یہ صورتیں اور لذتیں مجسم بنکر آئینگی۔ لیکن جو لوگ محسوس لذتوں اور ظاہری صورتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں ان کو وہ پرلطف مسرتیں اور عقلی لذتیں حاصل ہونگی جو ان کی شایان شان ہیں جو ان کی پیاس کو بجھاتی ہیں۔ کیونکہ جنت کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو وہ چیز حاصل ہو جو اس کی تمنا اور آرزو ہو۔ امام صاحب کا رجحان روحی تھا اُنھوں نے ہر چیز کو خیال اور فقط خیال پر محمول فرمایا۔ گویا امام صاحب کی جنت محض خیالی ہی حقیقی نہیں ہی۔ حقیقی جنت و دوزخ خواہ وہ روحی ہو یا نفسی اس زمین سے خارج نہیں ہی۔ جیسا کہ ہم نے کسی دوسرے مقام پر بتلایا ہی۔

موت و پیدائش میں تناسب فطرت کا یہ بھی ایک قانون ہی کہ اگر موت نہو تو پیدائش بھی نہو اگر اموات ایک مقدار معین میں ہوں تو اسی مناسبت سے توالد بھی ہو۔ اور جب موت کی کثرت ہوگی تو اسی مناسبت سے توالد میں بھی کثرت ہوگی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ چودھویں صدی عیسوی میں یورپ میں بلاک ڈیتھ یعنی کالی موت کے مرض سے آبادیاں فنا ہوگئیں۔ تو فطرت نے بھی توالد میں بہت زور بتلایا۔ یہانتک کہ مستورات کو بکثرت دو دو بچہ پیدا ہوئے اور اس کثرت کی وجہ سے یہ اثر ہوا کہ اکثر بچوں کو پورے دانت بھی نہ پیدا ہوسکے۔ کیا سبیر[1] نے پورے پورے تجربے کے بعد اپنی کتاب یوپرڈائی وارشیناک لینسڈارڈس نشن مطبوعہ ۱۸۳۵ء میں یہ اصول قائم کردیا کہ موت کے لحاظ سے پیدائش پر اثر ہے۔ یہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ جو لوگ دنیا سے سفر کرتے ہیں ان کو اسی مقدار مناسب سے پھر واپس ہونا پڑتا ہے اور یہ آیت نشان ۲ متعلقہ صفحہ ۱۰۲ کی ایک بین تصدیق ہے۔ جو امر تجربتاً ثابت ہے اس کا انکار نہیں ہوسکتا۔ تمام دنیا کے لیے یہی قانون ہے ہر مقام پہ اس کی جانچ ہوتی ہے۔

[1] جرمن فلاسفر کتاب ری انکارنیشن مولفہ ڈی والکر صفحہ ۶۸۔

اب ہم اس مضمون کو ختم کرتے ہیں۔ قبل از انکہ اس کو ختم کریں دو ایک باتیں اور عرض کیا چاہتے ہیں۔ اہل اسلام آج جس حال میں مبتلا ہیں اس سے کوئی ناواقف نہیں۔ یہ وہ قوم تھی جو ریگستان کے وحشت زار سے اُٹھی اور سبزہ زار ملکوں میں مشعل ہدایت لیے ہوئے پہنچی۔ اور ظلمات کو روشنی بخشی اور اُس ظلمات میں اس روشنی کی بدولت وہ وہ افراد منصہ ظہور میں آئے جس کی بدولت آج یورپ و امریکہ سرتاج اقوام عالم ہو رہا ہے۔ وہ کیا بات تھی جو ان لوگوں میں ایسا زبردست اثر لیے ہوئے تھی کہ اُس وقت کا تمام عالم اُن کا زیر فرمان۔ تمام اقوام یورپ۔ ایشیا و افریقہ ان کی غاشیہ بردار تھی اور خلافت ارضی کے جائز وارث قرار پائے تھے۔ اب بھی وہی کلام اللہ ہے وہی رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی پاک تعلیم تھی رسول کی حیثیت سے مانے جاتے ہیں۔ وہی مساجد ہیں اور کم و بیش تقریباً عبادت کرنے والے۔ مگر نہ وہ مسلمان ہیں اور نہ وہ مسلمان ممالک۔ اُس وقت جو اسلامی رونق افریقہ کو بقعہ نور بنائے ہوئے تھی اور یورپ کے وہ جاپانی جنوبی ممالک جس میں اسلامی تہذیب اور اسلامی پھریرا اڑ رہا تھا اب کہاں ہیں اور سب سے زیادہ وہ اسلامی آبادی کیا ہوئی جو تقریباً صدہا برس تک یورپ کو چکاچوند کیے ہوئے تھی۔ کیسی کیسی مسجدیں کلیسہ کی شکل میں تبدیل ہو گئیں۔ بزرگوں کے روضوں پر صلیب نصب ہیں۔ اس کو جانے دو خود ہمارے ہندوستان کو لو جس میں ہم بستے ہیں وہ اسلامی تمدن وہ آثار اسلامی کیا ہوئے جو عمارتیں عبادت گاہیں تھیں وہ کیسی کس مپرسی کی حالت میں تباہ ہو رہی ہیں۔ ہندوستان وہی ہے ہم بھی اُنھیں اولوالعزم قوم کے نا خلف قائم مقام ہیں۔ کیا ہماری وہ حالت بمقابل اُس حالت کے دیکھی جائے تو ہم کو اپنی بداعمالی پر رونا نہیں آتا۔ ان لوگوں نے جو عمل صالح اور ایمان کا میراث چھوڑا تھا۔ اگر اس کو ہم قائم رکھتے اور اپنے عادات اور اطوار کو خدا اور رسول کے فرمان کے تابع بنائے رکھتے تو کیا ہمارا دبدبہ اور ہماری خلافت خاک میں ملتی۔ آج یہ حالت ہے کہ زمین کی خلافت چھین لی گئی اور خدائے تعالیٰ کا وہ فرمان إن الله لا يغير ما بقوم حتى يغيروا ما بأنفسهم پورا ہو گیا اور ڈاروِن کا وہ نظریہ کہ زبردست کے مقابل کمزور مٹ جاتے ہیں صحیح ثابت ہوا۔

دراصل یہ ہو کہ سلف نے خدا اور رسول کے فرمان پر جان دینے میں بھی دریغ نہ کیا۔ اور اب یہہ حالت ہے کہ جان تو دور کنار روپیہ للہی اور اسلام کے کام میں صرف کرنے میں دریغ ہے۔ اصلاح نفس اس سے تو کچھ سروکار ہی نہیں۔ جتنی پوچ و لچر باتیں ہیں جزو مذہب ہیں اور حقیقی مذہب اُٹھ گیا ہیں ہے چھٹویں صدی میں حضرت نظامی رحمۃ اللہ علیہ یہ دکھڑا رو رہے ہیں۔

دین ترا در پے آرائش اند — در پے آرائش و پیرائش اند
بسکہ بر و بستہ شدہ برگ و ساز — گر تو بینی نہ شناسیش باز

یہ تو چودھویں صدی ہو۔ پھر مغربی تعلیم نے وہ فتنہ اُٹھایا ہے جس سے مذہب کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہمارے علمائے دین و پیشروانِ شرع مبین اپنے پُرانے خیالات پر اڑے ہوئے ہیں جو زمانہ موجودہ کے علمی و دماغی ترقی کے مقابلہ میں ابھی فلسفۂ یونان تازہ کیے بیٹھے ہیں اب تو ضرورت اس بات کی ہے کہ فلسفۂ مغربی کو اسلامی تعلیم سے مقابلہ کر دکھاتے۔

جنگ بلقان میں ترکوں کو اپنے ماتحت صوبوں سے جو نیچا دیکھنا پڑا جس سے بہت بڑا حصہ بلکہ کل یوروپین ٹرکی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اس پر لنڈن ٹیمس نے اپنے اخبار کے مقالہ میں یہ درافشانی کی کہ ترک ابھی پتھر کے ہتھیاروں کے زمانہ میں ہیں اور یہہ چاہتے ہیں کہ پتھر کے ہتھیاروں سے یوروپین فولاد کے ہتھیاروں کا مقابلہ کریں یہ کیسے ممکن ہو۔ یہہ رائے اخبار مذکور کی بالکل سچی ہے۔ یہ خیال مسلمانوں کے ہر ایک معاملہ میں صادق آتا ہے۔ ہم کو ایسے مضامین پر خلوص کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

جب یہ حالت ہے تو جو مسلمان بھی اس وقت موجود ہیں وہ بھی خداوند کریم کے رحم و کرم کی بدولت دکھائی دیتے ہیں۔ ورنہ کبھی کے فنا ہو گئے ہوتے۔ یہ تمام خرابی اس وجہ سے پیدا ہوئی ہو کہ اعمال صالح جو حقیقتاً ایمانداری ہے وہ اہل اسلام سے بہت دور جا پڑی ہے۔ جب اعمال صالح نہ ہو خدا کا ماننا نہ ماننا دونوں برابر ہیں۔ گو یورپ و امریکہ وغیرہ کے عیسائی اقوام اپنے مذہب کے نقائص کی وجہ سے عیسائیت سے بیزار اور دہریت کے قریب ہیں مگر پھر بھی ان میں عمل صالح ہو اور اسی کی بدولت خداوند تعالیٰ اپنے دشمنوں کے ساتھ نیک سلوک فرما رہا ہے آج اُن کی دھاک تمام دنیا پر ہو یہ صرف علم و عمل کا نتیجہ ہو۔ کسی شاعر کی یہ رباعی قابلِ قدر ہو۔

اگر علم ہے متقی تقوے ہے اصل زندگی ۔۔۔ حسنِ عمل پر کر عمل کچھ بھی اگر فہیم ہے
ہے محکِ شرف یہی سیرتِ نیک آدمی ۔۔۔ شکل نہیں نسب نہیں مال نہ زر نہ سیم ہے

مسلمانو کیا تم میں وہی دل و دماغ نہیں ہیں جو دوسری قوموں میں ہیں - پھر کیوں تم اپنی حالت پر غور نہیں کرتے - اگر تم اپنی حالت پر غور کروگے تو وہ زمانہ کچھ دور نہیں کہ پھر تم وہی ہوگے جو تمہارے آباؤ اجداد تیرہ سو برس قبل تھے - تمہارا وہی دبدبہ و سکہ ہوگا - تم کیوں نہیں اپنی اصلاح کی کوشش کرتے - اگر تم اپنی قوت ارادی سے کام لوگے تو تمہارا خدا بیکسا و بر تر تمہاری مدد کو کھڑا ہو جائیگا -

ہاں مجھ کو ایک بات اور کہنی ہے - فرقہ صوفیائے کرام کے جہلا کا مہلک اثر اہل اسلام میں سرایت کر گیا ہے - جبتک کہ اس زہر کی بیخ کنی نہ ہوگی - مسلمانوں کا اس قعر ذلت سے نکلنا محال دکھائی دیتا ہے - دراصل تصوف اصلاحِ نفس کا نام ہے اور کلام اللہ کی تعلیم بھی فقط اصلاحِ نفس کی ہے جو لوگ صوفیوں کے نام لیوا بن کر اسلامی احکام کی بیوقعتی کرتے ہیں اور اپنے تئیں خدا بناتے ہوتے ہیں ان کی اصلاح سب سے مقدم ہے - صوفیوں اور خدائی تعلیم کو دھبہ لگانے والا یہ جہلا کا فرقہ ہے - جو اپنی نفسانی خواہشوں میں منہمک اور پھر ان کا ہر فعل خدا کا فعل ہے - شراب وہ پیئیں نعوذ باللہ گویا خدا ہی نے شراب پی - زنا وہ کریں گویا خدا ہی نے استغفر اللہ زنا کیا - جتنے عیوب انسانیت کے ہیں یہ جہلا تصوف کے پردہ میں کر گزرتے ہیں اور پھر اس کی تائید میں آیات کلام اللہ رٹ دیتے ہیں جس کے معنی بھی من گھڑت کر لیے ہیں - سب سے پہلے ان جہلا کا استیصال اسلام سے ہونا اسلام کی ترقی کا باعث ہوگا - اس وقت جو حضرات بزرگان دین کی گدیوں پر رونق افزا ہیں اگر اپنے مریدوں میں اصلاح نفس پر زور دیں تو امید ہے کہ بہت قریب عرصہ میں بہت کچھ اصلاح ہو جائے گی - بشرطیکہ حضرات موصوفین اپنے مریدوں کے کاروبار اور اُن کے قول و فعل کے نگراں رہیں -

حصّہ اول تمام ہوا -

حصہ دوم

جب ہم دنیا میں بار بار آتے ہیں تو پچھلی حالت ہم کو یاد کیوں نہیں رہتی

دنیا کے جتنے علوم ہیں وہ انفراداً انفراداً انسانی تجربوں کا ایک مجموعہ ہے۔ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں ہے جب حضرت انسان اپنے دماغ کو اس رُخ پھیریں اور کسی نہ کسی نتیجہ کو نہ پہنچیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی معاملہ پر ایک سے زیادہ دماغ غور کرنے بیٹھتے ہیں تو اس معاملہ پر کسی نہ کسی قسم سے روشنی پڑنا ضرور ہوتا ہے۔ یہی حالت مسئلہ تناسخ کی بھی ہے۔ یہ امر مسئلہ تناسخ کے نہ ماننے والوں کو بے چین کیے دیتا ہے۔ جب ہم بار بار دنیا میں آتے ہیں تو ہم کو اپنی پچھلی حالت کیوں یاد نہیں رہتی۔

قبل ازانکہ اس کا جواب دیا جائے امور ذیل ذہن نشین کر لینا چاہیے۔ اگر اس پر غور کیا جائے تو یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے۔

دنیا کی تخلیق آفرینی میں ایسا کوئی اہم واقعہ نہیں ہے جیسا کہ تناسخ کا ہے۔ جو انسان کی اہم ذمہ داریوں کا جواب دیسکتا ہے۔ اسی ایک مسئلہ سے ہم پتہ چلا سکتے ہیں کہ کیوں ایک شخص نازونعمت میں پرورش پاتا ہے اور دوسرا ایک وقت کے کھانے کا محتاج اور مفلوک الحال ہے۔ کیوں ایک شخص عمدہ درجہ کا ذہین اور غیر معمولی قابلیت رکھتا ہے اور دوسرا محض کودن اور بیوقوف ہے۔

اس مسئلہ سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب ہم نے گزشتہ زندگی کا نتیجہ موجودہ زندگی میں پایا ہے۔ ایسا ہی اس زندگی کا نتیجہ آیندہ زندگی میں پائینگے۔ آج جو شخص غریب اور بدنصیب ہے اگر وہ اپنی غربت میں برائیوں سے محفوظ اور ایثار نفسی سے کام لے تو آیندہ زندگی میں نہایت خوشحال اور فارغ البال ہوگا۔ اور آج کا بیوقوف آیندہ دوروں میں رفتہ رفتہ اتنا ذہین اور عقلمند ہوگا جو غیر معمولی قابلیت پیدا کرے۔

دنیا جائے اسباب ہے ہر ایک واقعہ کا ایک سبب ضرور ہوتا ہے۔ دنیا کے عقلا ہر ایک معاملہ پر غور کر کے اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔ دنیا کے کاروبار کے سلسلہ پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو یہ کاروبار خود پکارے ہوئے گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب برائی اور بھلائی ہماری

پیدا کی ہوئی ہے۔ اسی کے مطابق ہم اس کا نتیجہ پاتے ہیں۔ چنانچہ مولانا روم رح اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

ابر نآید از پے منع زکواۃ ۔۔۔ وز زنا افتد بلا اندر جہات

اور کلام اللہ پکار ہوا اعلان کرتا ہے۔

وَمَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ ۔۔۔ اور جو پڑے تم پر سختی سو بدلہ اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے۔ ۲۳:۴۲

اگر یہ تباہی اور اقبالمندی ہمارے کاروبار کا نتیجہ نہیں ہے تو پھر آیت بالا کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ یہ بحث تفصیلی طور پر حصّہ اول کتاب ہذا میں آچکی ہے۔ اب مکرر اس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

علی العموم خیال ہے کہ تناسخ مذہب ہنود کا مسئلہ ہے۔ لیکن درحقیقت یہ عقیدہ قدیم زمانہ کے جملہ ادیان میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ آسٹریلیا جیسے دور افتادہ ملک میں بھی یہ عقیدہ رائج ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ بلکہ وہ مجرمین جن کو سزا پھانسی دی جاتی تھی وہ بخوشی پھانسی پر چڑھنا اس خیال سے پسند کرتے تھے کہ پھر پاک وصاف ہو کر پیدا ہونگے۔ فرانس کے علمائے مذہبی قبل از اشاعت مذہب عیسوی اس کی تعلیم دیتے تھے۔ یونان کے فیلسوف بھی اس مسئلہ کو قبول کرتے تھے۔ چنانچہ فیثاغورث کے نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جنگ ٹرائی میں وہ بحیثیت سپاہی شریک ہوا تھا اور زمانہ ممتد کے بعد پھر وہی شخص بحیثیت ایک فیلسوف کے دنیا کے اکھاڑے میں موجود ہوا۔ یہ واقعہ بھی فیثاغورث کا ہے کہ ایک شخص ایک کتے کو مار رہا تھا۔ اس نے اس شخص کو مارنے سے منع کیا۔ اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے جس کی روح اس کتے میں آئی ہے اور نیز دوسرے فیلسوف بھی مثلاً اپارکس اپولینس وغیرہ وغیرہ اپنی پچھلی حالتوں سے بخوبی واقف تھے یورپ و امریکہ و افریقہ میں بکثرت لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اگرچہ کلیسہ نے اس کے مٹنے پر اپنی پوری طاقت صرف کی۔ مگر تاہم بھی وہ لوگ جو باخبر تھے اس عقیدہ پر جمے رہے انھیں میں پارا سلوس۔ بوہم۔ سویڈن برگ۔ گیرڈانو برونو اور کمپانلا میں جرمن فلسفہ کے علماء شوپنہر لسنگ۔ ایحل۔ لیبنز۔ ہرڈر۔ فشٹے۔ صغیر اس کو مانتے تھے۔ کیانٹ اور شانگ نے

بہت سے اشارہ اس کے متعلق کرگزرے ہیں۔ ہلمانٹ صغیر نے دو سو مسائل کا ذکر یہودی روایتوں سے اپنی کتاب ڈی ایوا بوشن انی مبرم میں کرگذرا ہے۔ کیمبرج نیوپلاٹونی علما زیادہ قابلیت کے ساتھ اس مسئلہ کی تائید کرتے ہیں خصوصاً ہنری مور۔ کڈورتھ اور ہیوم نے روح کے ناقابلِ فنا ہونے کے ثبوت میں اس کا شمار کیا ہے۔

بعض طبائع پر مسئلہ تناسخ کا فوری اثر ہو جاتا ہے۔ جبکہ وہ پہلی دفعہ اس کو سنتے ہیں ان پر بجلی کا سا اثر ہوتا ہے جو ان کی تمام روحانی تاریکیوں کو رفع کرکے دقیق مسائل زندگی مثل آئینہ کے پیش نظر کر دیتی ہے۔ دوسروں پر اس کا اثر رفتہ رفتہ بطور عقیدہ کے جمتا ہے اور جوں جوں ان کے شبہ رفع ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ پختہ ہوتا جاتا ہے۔

اس مسئلہ کا تعلق خاص تصوف سے ہے وحدۃ الوجود کے ماننے والوں کو اس کا انکار زیبا نہیں۔ ان کو ان دلائل پر غور کرنے کے بعد صرف یہ اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ ہم کو اپنی پچھلی [illegible] ۔ اگر فطرت میں مسئلہ تناسخ کوئی اصلیت رکھتا ہے تو اس کی تصدیق واقعات [illegible] سے یقیناً مل سکیگی۔ فطرت کا کوئی واقعہ بجائے خود بالکل جدا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اس لیے ممکن ہے کہ متعدد عنوان سے اس کا پتہ چل سکے۔ بہت سے روحانی واقعات ایسے ہیں جو غور کرنے والے کو تناسخ کے ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں اور بتا سکتے ہیں کہ تناسخ محض ایک خیالی مسئلہ نہیں ہے۔

اس سوال کی نسبت کہ ہم کو اپنی پچھلی حالت کیوں یاد نہیں ہے پہلے ہم کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ یاد سے کیا غایت ہے۔ اگر ہم کو حافظہ کی بناوٹ سے کوئی واقفیت حاصل ہو تو شاید ہم کو اس کے سمجھنے میں آسانی ہو کہ ہم اپنے گذشتہ واقعات یاد رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ حافظہ کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اگر کل کے واقعات مثلاً میری انگلی کٹ گئی تھی یاد کروں تو حافظہ کے دو حصے ہوں گے۔ اولاً وہ جملہ واقعات جس سے ایذا یا درد کا احساس ہوا۔ دوسرا حصہ درد کا احساس ہی بتدریج درد کے جملہ واقعات جس سے ایذا یا درد کا احساس ہوا ہمارے دائرہ علم سے خارج ہوگئے صرف درد باقی رہ گیا پھر وہ احساس درد کا فقط خیال ہی رہ گیا۔ اس کے بعد وہ احساس جو خیال ہی تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اس کے عیوض میں نفس ہی میں یہ مادہ پیدا ہوا کہ ہتھیار کے استعمال میں احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اب نفس میں نہ وہ درد کا احساس رہا اور نہ وہ تکلیف . . . .

غالباً یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ دماغ میں یہ جملہ واقعات کیوں محفوظ نہیں رہتے ۔ دراصل یہ ہے کہ دماغ میں دونوں اثرات ہیں وہ یاد بھی دلاتا ہے اور نسیان بھی پیدا کرتا ہے ۔ اگر ایسا نہ ہو تو انسان کی زندگی بہت دشوار ہو جائے گی ۔ ہم کو اپنے اعضا کی ہر ایک حرکت یاد ہو تو ہمارا ضمیر متعدد حافظوں کی بدولت اتنا کمزور ہو جائیگا کہ پھر کوئی حرکت ہم سے سرزد نہ ہو سکے گی ۔ اسی طرح اب جو کچھ کام بادی النظر میں بلا قوت ارادی کیا جا رہا ہے ۔ درحقیقت وہ کام کسی نہ کسی زمانہ میں دیدہ و دانستہ کیا گیا ہوگا ۔ لیکن اب ہم اس کو بھول گئے ۔ بعوض اس کے فوری طور پر بلا قوت ارادی اس کام کو کرنے پر قادر ہیں اس کی نظیر اس طرح ہو سکتی ہے ۔ کم عمری میں ہم نے حروف تہجی سیکھے اس کے بعد مرکب حروف سیکھے ۔ پھر مرکب حروف کے بعد ہم نے عبارت پڑھنی سیکھی ۔ اب جب جوان ہوئے تو ہم کو اس وقت کی تعلیم کی بابت کچھ بھی یاد نہیں رہا ۔ نہ یہ یاد ہے کہ ابتداءً ہم نے کیسے سیکھا اور کس سے سیکھا مگر اس کا نقش ہمارے دماغ میں جما ہوا ہے اگر کوئی حرف کہا جائے یا لفظ اس کی شکل فوراً ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے مگر اس کے سیکھنے کے واقعات ہم کو یاد نہیں آتے ۔ یہی حالت ہماری گذشتہ زندگی کی ہے ۔ نفس میں خواہ روح میں وہ سب باتیں منقوش ہیں جس کو انسان اپنے تجربہ سابقہ کی بنیاد پر بے اختیاری کے ساتھ کر گزرتے ہیں ۔ اور اسی طرح خدا نے جیسی خلقت کیا ہے عمل پیدا ہوتے ہیں اور اسی کی مطابق سزا و جزا پاتے ہیں ۔ اسی کے نسبت کلام اللہ میں اشارہ ہے

وَلَوْ تَرَىٰٓ إِذْ وُقِفُوا۟ عَلَى ٱلنَّارِ فَقَالُوا۟ يَـٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِـَٔايَـٰتِ رَبِّنَا وَنَكُونَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا۟ يُخْفُونَ مِن قَبْلُ ۖ وَلَوْ رُدُّوا۟ لَعَادُوا۟ لِمَا نُهُوا۟ عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَـٰذِبُونَ

۶ : ۳۵ و ۳۶

کاش تم ان کو دیکھو ایسی حالت میں کہ دوزخ پر کھڑے کیے جائیں اور لگیں کہنے اے کاش ہم واپس بھیج دیے جائیں ۔ اپنے پروردگار کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور ایمان والوں میں سے ہوں بلکہ جس بے ایمانی کو پہلے چھپاتے تھے ان کے آگے آئی اور اس کو دیکھ کر لگے حسرت کرنے ، اگر واپس بھیج دیے جائیں تو جس چیز سے ان کو منع کیا گیا ہے اس کو پھر دوبارہ کریں اور کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں

جملہ مخلوقات عادت سے مجبور ہے۔ عادت سے مخلوق میں اتنی جرات ہوتی ہو کہ بلا سمجھے بوجھے حرکت کر بیٹھتے ہیں اور اسی مطابق نتیجہ بھی پاتے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس بات کو ہم پسند یا نا پسند کرتے ہیں یا آنکہ کسی بات ہیں اپنی قابلیت کا اظہار کرتے ہیں یہ سب انھیں پرانے نقوش کا اعادہ ہیں جو خود بخود موقعہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ مگر تفصیلی واقعات کی کچھ خبر نہیں رکھتے۔

یہ امر مسلمہ ہو کہ ہم اپنی یاد کو یکے بعد دیگرے فراموش کردیتے ہیں مگر اس سے زیادہ کیا بیوقوفی ہوگی کہ کوئی لفظ ہمارے خیال میں آئے اسکی نسبت اسکے تاریخی حالت کے پیچھے پڑیں یعنی یہ کہ ہم نے اس حرف کو کہاں کب اور کس کتاب میں دیکھا تھا۔ انسان کا دماغ نقوش کا ایک دفتر ہے مگر اس کا اپنی واقفیت کی حیثیت پورے طور پر ظاہر کرانا ناممکن ہے۔

کسی کا مقولہ ہو کہ ہم اپنی زندگی میں گذشتہ کا بہت تھوڑا خیال کرتے ہیں لیکن ہماری تو احساسات اور اعمال میں ہم اپنے گذشتہ تجربہ سے طاقت سے کام لیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ نفس کے جاننے کی خواہش یہ ہم گذشتہ کا پورا پتہ نہیں چلا سکتے۔ لہذا ہم کو معمولی کام کے لیے معمولی تجربہ اور غیر معمولی کام کے لیے غیر معمولی تجربہ کی ضرورت ہے۔

ہم تجربتاً یہ بات پاتے ہیں کہ بعض بچوں میں بعض خصوصیتیں ایسی ہوتی ہیں اور وہ ایسی جرات اور دلیری سے کام کرجاتے ہیں جو دوسروں سے اور وہ بھی تجربہ کار انسانوں سے ہونا ممکن ہے حالانکہ وہ بے اختیاری کے ساتھ عمل کردیتے ہیں۔ یہ وہی پرانی تجربہ کاری کے نقش کا اعادہ ہے۔

بعض مشاہدے غیر معمولی محبت اور تنفر کے بھی قابلِ غور ہیں۔ ایک شخص دوسرے کو جو کبھی اس سے ملا یا دیکھا نہو۔ پہلی ہی ملاقات میں ولولہ خیز محبت و تنفر پیدا کرلیتا ہے۔ اگر یہ محبت و تنفر عادات کے لحاظ سے ہوں تو خیر۔ لیکن بلا کسی خارجی اسباب کے الہاماً اگر یہ باتیں پیدا ہوں تو ہم اس کو اگلی محبت و تنفر کا نتیجہ سمجھنا لازمی ہوگا۔ اس کی تائید اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوتی ہے

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ۔ روحوں کے لشکر ہیں۔ جھنڈ کے جھنڈ سو جو ان میں سے ازل میں آشنا اور واقف تھا وہ اس عالم میں ملا اور الفت والا ہوا اور جو ان میں سے

وہاں نا آشنا اور بے پہچان تھا وہ یہاں بھی
جدا اور بھٹکا رہا۔

ارواحیں کل ایک ہی استعداد کی ہونا ضرور ہی۔ کیونکہ تمام عالم کی ایک ہی جان ہی۔ اب جو ہم دنیا میں مختلف استعداد کے افراد دیکھتے ہیں اس کو لازمی طور پر یہ ماننا ہو گا کہ یہ صرف ان کی سابقہ لیاقت کا ارتقائی درجہ ہی۔ ورنہ ہم کو یہ قبول کرنا پڑیگا کہ روحوں کو خاص خاص استعداد دیکر دنیا میں بھیجا جاتا ہے جو قرین قیاس نہیں اور نقلاً بعید ہی۔

توارث مادی طور پر ثابت ہو رہی اور اخلاقی حیثیت سے توارث کا عقلاً و نقلاً ثبوت نہیں ہے جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کی تصدیق قانون قدرت بھی کرتا ہی۔ ہر سبب کا ایک نتیجہ ضرور ہونا چاہیئے۔ جو کچھ ہم برائی یا بھلائی کرتے ہیں نفس اور روح میں اس کا نقش ہو جاتا ہے۔ اس نقش کا نتیجہ ہے کہ انسان پر سزا یا جزا عائد کرتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ انسان سے جو کچھ افعال نیک و بد سرزد ہوتے ہیں ان کے اشکال بنتے ہیں۔ اگر افعال اچھے ہوں تو اچھے اشکال اگر برے ہوں تو برے۔ بس اچھے اور برے افعال سے جو کچھ نتیجہ مترتب ہوتا ہے وہ صرف عالم مثال تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ چھیوں عالموں میں انکا اثر مترتب ہوتا ہے اور اسی اثر کا نتیجہ ہے جو سب کے آخر عالم اجسام میں ظہور پاتا ہے اس عالم مثال تک محدود نہیں کر سکتے۔

احادیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ انسان جو امراض وغیرہ میں مبتلا ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر ایک کانٹا بھی چبھے اس سے گناہ کا بوجھ کم ہونا بیان کیا گیا ہے یہ بھی وہی اثر ہے جس سے تناسخ کے استدلال میں پوری مدد ملتی ہی۔

یہ بھی ایک قانون قدرت ہے کہ نفس سے ایک بار جب کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو بار بار اس حرکت کا ظہور ہوتا ہے۔ فرض کیا جائے کہ کسی شخص نے چوری کی۔ تو اب یہ حرکت یا تو زمانہ ماقبل کی حرکت کا اعادہ ہو گی یا کہ ابتدائی ہر حالت میں وہ حرکت قائم رہے گی تا آنکہ مادہ اتقا حرکت کی شدت کے ساتھ اس کو نہ روکے وہ برابر اپنا کام کیے جائے گی۔ یہی قانون خداوندی ہی جس کو کبھی ٹلتا ہوا نہ پاوگے۔ پھر انسان ایک وقت دنیا میں آکر رک جائے یہ قانون قدرت کے خلاف پایا جاتا ہے علاوہ بریں انسان میں خصوصیت کے ساتھ جو باتیں ودیعت ہیں وہ عبث تو نہیں ہو سکتے۔

لامحالہ اس قسم کی کام لینا مقصود ہوگا۔ جب انسان ایک وقت سے زیادہ دنیا میں نہیں آتا تو جو خصوصیتیں انسان میں رکھی گئی ہیں وہ بیکار رہ جاتی ہیں جو کسی حالت میں قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ مثلاً انسان کے عصبی نظام میں جو خصوصیت رکھی گئی ہے وہ قابلِ غور ہے اور اس کا پتہ چلانا بہت آسان ہے وہ یہ کہ صیقل شدہ فولاد پر کوئی چیز خواہ حنا یا دیفر تر کرکے چپکا دیں اور رطوبت جذب ہونے کے بعد اس کو نکال ڈالیں تو جو دھبہ اس کا فولاد پر نمایاں ہوگا۔ اگر اس فولاد کے صیقل میں فرق نہ آئے تو جس وقت چاہیں اس دھبہ کو نمایاں کر سکتے ہیں۔ اب اس پر غور کیا جائے کہ فولاد پر جس میں نظام عصبی نہیں ہے۔ جب اس قسم کا زبردست اثر ہوتا ہے تو ان اعصاب میں جن میں خصوصیت کے ساتھ یہ انتظام رکھا گیا ہے کیوں نہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دیوار پر کسی قسم کا سایہ گرتا ہے تو اس کا نقش بھی دیوار میں منقوش ہوجاتا ہے۔ مگر اس کے معلوم کرنے کے لیے اس کے معمولی ذرائع کی ضرورت ہے۔ جس کا پورا ثبوت طریقۂ فوٹوگرافی ہے۔

قدرتی مناظر یا اپنے دوستوں کی تصویریں ہماری آنکھ سے اگرچہ کہ چھپی ہوئی ہیں مگر محفوظ مقام میں حفاظت کے ساتھ موجود ہیں۔ اگر ان کو اس طریقۂ مقررہ کے ساتھ ابھارنا چاہیں تو وہ نفسئے آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوجائینگے۔ ہم مکانات کے مخصوص حصوں میں جہاں کسی کی نظر نہ پہنچتی ہو چھپ کر جو کام کرتے ہیں اس مقام پر ہمارے پورے کاروبار کے نقوش موجود ہیں۔

صبح میں جب ہم بیدار ہوتے ہیں ابھی آنکھ پوری کھلنے نہیں پاتی ہم ایک نہ ایک کسی قسم کی روشن چیز کو نہایت غور کے ساتھ دیکھنے لگتے ہیں تو فوراً ہم پلک کو بند کرلیتے ہیں تو ہم کو اندھیرے میں کسی قدر جالہ پر کوئی شکل دکھائی دیتی ہے۔ اس کو یاد رکریں کہ وہ خیالی شکل نہیں ہے بلکہ حقیقی شکل ہے جس کی نسبت فوری طور پر ہم اس کو اس کے مختلف ابواب پر غور کرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ جس کو فرصت کے ساتھ جانچ سکتے ہیں مگر وہ شکل سکنڈ دو سکنڈ یا منٹ دو منٹ میں آنکھوں سے غائب ہوجاتی ہے۔ آنکھ کی رٹینا یعنی آنکھ کا عصبی جالدار حصہ، پر جو یہ اثر رہا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنکھ کے عصبی ویسکل کا عمل بیرونی اثرات کی وجہ سے عارضی نہیں ہوتا۔ اس کی میعاد اس کا آناً فاناً ظہور اس کا غائب ہوجانا بالکل فوٹوگرافی کے طریقے کے مطابق ہے۔ جو لوگ فن فوٹوگرافی سے واقف ہیں وہ اس امر کی تصدیق کرینگے کہ فوٹو لینے کے ایک عرصہ بعد کے بعد اگر اس عکس کو ابھارنا چاہیں تو وہ عکس باوجود مرور زمانہ بلا کسی نقص کے ابھر آتا ہے اور فوٹو کی جو کچھ خوبیاں ہیں وہ سب اس میں قائم رہتی ہیں اور کوئی بات فروگذاشت نہیں ہوتی۔

کیا یہ نقوش جو نظامِ عصبی نے جمع کیے ہیں اس کا اثر دماغ میں تو پائیدار اور دُنیا میں عارضی ہو سکتا ہے؟ کیا یہی تعریف حافظہ کی ہے؟ دماغ گزشتہ واقعات اور حالات کے ان نقوش کو جو اس کی حفاظت میں دیے گئے تھے خیال میں لاتا ہے۔ کیا اس کے خاموش تصویر خانہ میں نہایت درجہ چھوٹے زندہ و مردہ اشخاص کے مناظر جس کو ہم نے دیکھا ہے واقعات جس میں ہم نے حصہ لیا ہے کے تصاویر آویزاں ہیں؟ کیا یہ دائمی نقوش بعض اہم نشانات کی حیثیت کے مثل کتاب کے حروف کی حیثیت کے ہیں جو دماغ کو خیالات دلاتے ہیں؟ یا کیا وہ حقیقی تصاویر کے بے انتہا چھوٹے اشکال ہیں جن کو مصوّر ہمارے لیے تیار کرتے ہیں۔ اور جس کو ہم بذریعہ کلاں بیں دیکھتے ہیں جس کی مقدار پن کی گُنڈی سے زیادہ نہیں ہوتی جس میں سارے خاندان کا جمگھٹا ایک ہی نظر میں نظر آتا ہے۔؟

دُنیا میں جو اشکال ہوتے ہیں وہ دن کی روشنی میں نظر نہیں آتے۔ علی ہذا جو اشکال سنسوریم میں ہوتے ہیں۔ جبتک کہ عصب ہائے مذکور کاروبار میں منہمک اور نئے نقوش لینے میں مشغول رہتے ہیں ہمارے خیال میں نہیں آتے۔ مگر جب عصبہائے مذکور ماندیا سست ہو جاتے ہیں۔ یا ہم نہایت درجہ متردد رہتے ہیں یا کسی خیال میں محو رہتے ہیں۔ یا آنکہ سو جاتے ہیں وہ چھپے اشکال ویسے ہی علانیہ طور پر دماغ میں موجود ہو جاتے ہیں اور انھیں اسباب سے بخار کے ہذیان میں اور نیز حالت سکرات میں ان کا ظہور ہوتا ہے۔

انسان جب سو جاتا ہے اور بیرونی اثرات زائل اس کی سماعت اور بصارت اور دوسرے احساس باقی نہیں رہتے۔ اس وقت وہ نہیں سونے والا۔ خیالات میں محو رہنے والا۔ وہ چھپا ہوا شعبدہ باز دماغ اپنے جلوت خانۂ غیب سے ان نقوش کو جو اس نے جمع کیا ہے۔ دیکھنے لگتا ہے۔ حقیقتاً وہ نقوش ناقابلِ فنا ہیں۔ وہ نقوش جیسے کچھ جمع ہوتے ہیں ان سے خواب کا ایک نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ خدا نے ہر ایک انسان کے لیے یہ ذریعہ وابستہ کر دیا ہے جس سے انسان کو شاندار ی کے ساتھ یہ جتلانا مقصود ہے کہ روح ایک ناقابلِ فنا چیز ہے اور آیندہ زندگی لازمی ہے۔

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اس کی تصدیق کلام اللہ کی اس آیت سے ہوتی ہے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ۳۶ - ۶۵

آج ہم اُن کے موہنوں پر مہریں لگا دیں گے اور جیسے کرتوت یہ لوگ کر رہے تھے ان کے ہاتھ ہم کو بتا دیں گے اور اُن کے پاؤں گواہی دیں گے

نہایت تعجب کا مقام ہے کہ اہل اسلام لفظ تناسخ سے کیوں بگڑ جاتے ہیں۔ بگڑنے کی اس میں کوئی بات نہیں ہے ہر مسلم کو والبعث بعد الموت پر ایمان لانا فرض ہے۔ جب مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان لانا فرض ہے اور اُٹھنے کے متعلق اُسی مٹی کے جسد سے اُٹھنا فرض مانا جاتا ہے ورنہ دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے تو اس میں اور لفظ تناسخ میں کیا فرق رہتا ہے۔ کیونکہ موجودہ اعتقاد کے لحاظ سے قیامت میں اُٹھنا تو قبول کیا جاتا ہے۔ اور جب اسی خاکی جسم سے اُٹھیگا تو وہ خاکی یعنی خون و گوشت کا جسم بھی قابلِ فنا ہوگا۔ پھر اس کو موت لازمی ہے۔ جو جسم اُٹھیگا اُس کو نفس بھی ہوگا۔ اس نفس سے برائی اور بھلائی کا ہونا بھی لازمات سے ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے دوزخیوں اور جنتیوں کے بیان میں الا ماشاء اللہ کی قید لگا دی ہے وہ قید اسی بنیاد پر ہے جب دوسرے وقت کے اُٹھنے میں جو کاروبار ہوتے ہیں اس کی سزا و جزا کے لیے اُٹھنا پھر لازم آیا۔ گویا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا تا آنکہ وہ شخص نفس کے بتوں کو توڑ کر پاک مومن اور متقی و پرہیزگار نہ ہو جائے۔ البتہ جو شخص مر گیا اس کی وہ شکل پھر دنیا میں نہیں آتی۔ کیونکہ حسب آیت کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَان۔ ہر وقت اس کا ظہور ہوتا ہے اور نیز سورۂ واقعہ کی اس آیت سے عَلٰٓی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَکُمْ وَنُنْشِئَکُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ سے تصدیق ہوتی ہے

تناسخ کو ماننے سے کیا فائدہ

دنیا میں علمی جو کچھ ترقی ہوئی ہے وہ انسانوں کی انفرادی تجربوں کی بنیاد پر ہوئی ہے جو انسانی فہم و فراست نے زیر نگرانی فطرت اللہ درایتاً و روایتاً ایک سے دوسرے کو دوسرے سے تیسرے کو اپنے ذاتی تجربوں کے ساتھ ایک زمانہ تک پہنچا۔ با سبب دنیا میں نوشت و خواند کا سلسلہ جاری ہوا اب درایت و روایت کا سلسلہ بڑی حد تک متروک اور ہر شخص کے تجربے معرضِ تحریر میں آنے لگے بس اسے دنیا کے لوگوں کے فہم و فراست میں بہت کشادگی ہوئی۔ یہ سلسلہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا یہ تجربے محض مادی حد تک تھی۔ دیکھئے اس میں روحی جز بہت کم درجہ کا تھا جس کی کو ایک خدائی فرقے نے پورا کیا جس کو ہماری اصطلاح میں انبیاء و رسل سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس فرقے نے مادی حیثیت سے تو ہم کو کسی قسم سے زیادہ مدد نہیں دی مگر بیادہ روحی سلسلہ کا کھول دیا۔ اس سے فہم و فراست میں ایک غیر معمولی ترقی کا دروازہ کھلا۔ اسنے کیا نفعا یہ ہائی ترقی فہم و فراست میں ایک ایسی جودت پیدا ہوئی جس سے دنیا کے کاروبار سمجھنے میں بہت سے عقلا کو

مدد ملی۔ اب دنیا میں دو فریق پیدا ہوئے ایک وہ فریق ہے جو محض مادّہ کو کائنات عالم کا مالک مانتا ہے دوسرا وہ فرقہ ہے جو مادّہ کو روح کے ظہور کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے اور حقیقتاً اس عالم کے وجود کا حصر روح پر قرار دیتا ہے۔ گویا اس عالم کے انتظام کا سلسلہ مادّہ اور روح پر ٹھہرتا ہے مگر جو مادّہ پرست ہیں ان کو دنیا میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ مادّہ ہی ہے اس لیے وہ کائنات عالم کا بانی مبانی مادّہ کو قرار دیتے ہیں۔ روح کے کاروبار کا انھیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ان کے خیال میں مادہ ہی خدا ہے۔ باقی کچھ نہیں۔

بعض دماغی قابلیت رکھنے والے ایسے بھی ہیں جب وہ اس پر غور کرتے ہیں کہ صرف مادّہ میں کچھ استحکام نہیں اس لیے مادّہ پر کچھ بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ گویا یہ عالم یوں ہی بنا اور یوں ہی فنا ہو جائیگا اس میں جو شائستگی دیکھی جاتی ہے وہ محض مادہ کی حیثیت سے بالکل قرین قیاس نہیں۔ فقط اسی پر غور کیا جائے کہ حضرت انسان کیسے جمیع کمالات کے منبع ہیں اور خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کیا کیا کمالات ان میں ودیعت ہوئے ہیں۔ ان کمالات کو ترقی دینے میں کن کن باتوں کا ظہور ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا میں جتنی مخلوق ہے ہر مخلوق کے ساتھ ان کی بود و باش۔ ان کی حفاظت ان کی نگہداشت کے لیے انھیں کیسے کیسے آلے دیے گئے ہیں۔ کیا یہ قابلیت محض مادّہ میں ہے اب انھوں نے اس کے سمجھنے کے لیے کہ آیا یہ کاروبار حقیقتاً مادّہ سے بلا مدد روح ہو سکتے ہیں یا در اصل اس کے پیچھے کوئی اور طاقت کام کر رہی ہے غور کیا۔ اب جب انسان کی قابلیت پر غور کیا جاتا ہے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان میں ایک غیر معمولی طاقت بھی ہے جس سے آیندہ کے واقعات کی پیشگوئیاں ہو سکتی ہیں۔ جو اپنے وقت پر برابر پوری اُترتی ہیں۔ جس کی تصدیق کتب الہامی کر سکتے ہیں۔ یہ طاقت صرف مادّہ سے کیسے ممکن ہے اور پھر مذہبی کتب سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ انسان کو اس کے اعمال کی سزا وجزا بھی ہے۔ اب اس کی تصدیق سائنس سے ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا کی کوئی چیز لغوی معنی کی حیثیت سے فنا نہیں ہو سکتی۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ ہم گفتگو کرتے ہیں۔ اس کا نقش ہوا میں محفوظ رہتا ہے۔ اور جو کچھ ہم مکان کے ایک کونہ میں اور وہ بھی ایسے مقام پر جہاں کسی مخلوق کا گذر نہیں ہو سکتا چھپکر کیا جاتا ہے۔ اس کا نقش اس مقام کے در و دیوار پر موجود رہتا ہے اور انسان کا نظام عصبی جس کو انگریزی میں گینگلین کہتے ہیں جو کچھ ہم سے کاروبار ہوتے ہیں وہ دماغ کے مقام خاص میں جملہ واقعات کو محفوظ رکھتے ہیں جن کا ظہور ان کی جانب سے وقت بوقت موقع مناسب کے ساتھ ہوتا رہتا ہے چنانچہ

اس کی تصدیق پوری طرح پر گراموفون اور فوٹوگرافی سے ہوجاتی ہے ۔ اور نیز خدا تعالیٰ کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے ۔ جہاں خدائے تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے ۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ۝ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور جیسے کرتوت یہ لوگ کر رہے ہیں ان کے ہاتھ ہم کو بتا دینگے اور ان کے پاؤں گواہی دینگے ۔ ۳۶ : ۶۵

ان جملہ ابواب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مخلوق کی روحی ترقی کا ایک درجہ ہے جہانتک وہ ترقی کرسکتا ہے اور ایک مقام خاص تک اس کا سفر ضرور ہے ۔ یہ انتظام عالم خاص خداوند تعالیٰ شانہ کی حکمت غیر متناہی پر چلا جائیگا ۔ اس کو کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہے یہ سب ایسی باتیں ہیں جس کا ہر شخص کو دلی خیال پیدا ہوا ۔ اگر مادہ پر حصر ہو تو مادہ میں کچھ استحکام نہیں ۔ انسان کو اپنے اعمال کی جواب دہی نہیں اور مخلوق میں خاص خاص صنعتیں جو رہ گئی ہیں وہ سب عبث ٹھیرتی ہیں ۔ بس عالم میں جملہ خرابی ہے اس کی نسبت مسٹر بالفور کے خیالات کا اظہار اس مقام پر نہایت مناسب معلوم دیتا ہے ۔

فلاسفر مذکور دعوے سے کہتا ہے کہ ایک دن ایسا آئیگا ۔ کہ جو طاقت اس عالم میں کام کر رہی ہے وہ بیکار ہوجائے گی ۔ آفتاب کی چمک دمک جاتی رہیگی زمین کی رونق میں فرق آجائیگا اور آبادی نے جو ایک لمحہ کے لیے اس کی خلوت میں پریشانی پیدا کی تھی نہ رہے گی ۔ انسان کسی غار میں تباہ ۔ اس کے خیالات فنا ہوجائینگے بیچین کرنے والی قوت ادراک جو ایک لمحہ کے لیے عالم کی خلوت میں تفرقہ ڈالے ہوئے تھی ساکت ہوجائے گی ۔ مادہ کو خود اپنا وقوف نہ رہیگا ۔ ناقابل تلف یادگاریں نا قابل فنا کاروبار یہاں تک کہ خود موت اور محبت جو موت سے زیادہ طاقت رکھنے والی ہے ایسی ہوجائینگی ۔ گویا کہ ان کا کبھی وجود تھا ہی نہیں ۔ کوئی چیز خواہ بھلی یا بری جیسے محنت قابلیت شغل اور مصیبتیں جو انسان نے غیر محدود زمانہ سے عمل پذیر ہونیکے لیے اٹھائیں رائیگاں ہوجائینگی ۔ جس کا کہیں پتہ بھی نہیں چلیگا ۔ یہ تباہی اور بربادی مادی سائینس کی بدولت ہوگی ۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارا خدا کو ماننے میں فائدہ ہے مادہ پر بھروسہ نہیں ہوسکتا ۔ اگر اسی اصول پر تناسخ کے متعلق جانچا جائے اور اس پر غور ہو تو ہم بھی اس میں کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں اتنا تو ضرور پتہ چلیگا کہ عموماً جیسا مسلمانوں میں قیامت کا خیال ہے زیادہ صحیح ہے یا آنکہ تناسخ کی تعلیم صحیح ہے

موجودہ عقیدہ کے لحاظ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک دن ایسا آئیگا کہ نظام شمسی تباہ و برباد ہوجائیگا
اس کے بعد پھر زمین قائم کی جائے گی اور خداوند تعالیٰ شانہ اس زمین سے مردوں کو اٹھائیگا اس کے
بعد حسب استحقاق کسی کو جنت اور کسی کو دوزخ کا فیصلہ دیکر ہمیشہ کے لیے جبتک اس کی ذات قائم ہے
آگ میں جلنے یا بہشت کی سیر کرنے کے لیے چھوڑدیگا اور یہ مدت رنج و راحت کی خدا کی ذات کے ساتھ ہمیشگی
تناسخ کو ماننے سے یہ فائدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جیسا کہ حکمت کے ساتھ اس عالم کا انتظام کیا ہے
علت و معلول کا اس کو تابع بنایا ہے انسان جو کچھ کاروبار کرتا ہے اس کے نفس میں ان کاروبار کا نقش
ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق وہ اپنے قویٰ لیکر پیدا ہوتا ہے جیسا اس نے کیا ہے اس کے مطابق اس کی
سزا و جزا ملتی ہے یہی سلسلہ اس کو اس وقت تک لگا رہیگا تا آنکہ وہ اپنی خواہشات نفسانی کو
ترک اور للہی نہ بن جائے۔ اس سے خدا کی اس حکمت بالغہ کا جلوہ نظر آتا ہے جو اس نے نظام عالم میں
قائم فرمایا ہے اور جیسے کہ اس نے انسان کو ایک لق و دق صحرائے دنیا میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا ہے
اس کو اپنے مالک حقیقی کے قدرت کے جلوؤں کا نمونہ دکھائے اور وہ مخلوق اپنی فہم و فراست
میں ترقی کرتے ہوئے جس چشمہ سے نکلا ہے اس چشمہ میں کامیابی کے ساتھ شریک ہوجائے۔
دنیا میں سچ اور جھوٹ کے معلوم کرنیکا کوئی خاص معیار تو نہیں ہے مگر حضرت انسان نے
اپنی بے کسی بے بسی کی حالت میں بھی یہ معیار سچائی کا ٹھہرایا ہے کہ واقعات سے جس امر کی
تصدیق ہو وہ سچ ہے۔ اور جس کی تصدیق نہ ہو وہ سچ نہیں ہے۔
یہ امر ظاہر ہے کہ کل عالم کی ایک روح ہے مگر عالم میں انسانوں کی حالتیں ایسی عجیب و غریب
ہیں اس سے اس امر کا پورا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ حالتیں انسانوں کے اپنے پیدا کی ہوئی ہیں
والا یہ ماننا لازم آتا ہے کہ خدا ارواحوں کو خاص خاص استعداد دیکر دنیا میں بھیجا کرتا ہے
اگر یہ مانا جائے تو اس کو سزا و جزا کا دینا محض ظلم ہے۔
اگر موروثی اثر مانا جائے تو پھر عیسائیت کا اعتقاد لازم آتا ہے کہ ہمارے جد اعلیٰ نے جو
غلطی کی تھی وہ اثر ان کی اولاد میں بھی آیا جو بیہودگی سے خالی نہیں۔ روحی اور اخلاقی اثر تو اس کا
ثابت نہیں ہے لامحالہ اس کو تناسخ کا اثر ماننا پڑیگا۔
دنیا میں جتنے قدیم مذاہب گذرے ہیں سبھوں نے اعمال کے سزا و جزا کی جو تعلیم دلائی ہو وہ ذریعہ

تناسخ ہے اور کلام اللہ اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ جملہ انبیا علیہم السلام نے اصولی ایک ہی تعلیم دی ہے۔ تناسخ کو ماننے سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

دنیا کے کاروبار اور نفس کی خصوصیت سے یہ پتا چلتا ہے کہ جو بات ایک وقت ظہور میں آتی ہے اس کا بار بار اعادہ ہوتا رہتا ہے۔ پس انسان کا ایک وقت دنیا میں آنا اور پھر نہ آنا واقعات کے خلاف پایا جاتا ہے۔ قیامت کی جو تعریف خدا نے فرمائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بیان فرمایا اس سے تناسخ کا پتہ چلتا ہے۔ اور قیامت کے معنی موت کی ہے۔

جہاں جرم سرزد ہو وہاں اس کو سزا ملنا باعث عبرت ہو سکتا ہے۔ اگر جرم ہندوستان میں سرزد ہوا اور اس کی سزا انگلینڈ میں ملے باعث عبرت نہیں ہو سکتا۔ جب دنیا کی گورنمنٹیں اس کو جائز نہیں سمجھتی ہیں تو پھر خدا اس کو کب جائز قرار دیگا۔

انتظام عالم پکار رہا ہو گواہی دیتا ہے کہ یہ سب انسانی تباہی و بربادی خوش حالی و اقبالمندی کسی کارگزاری کے صلہ میں ہے اور یہ انتظام کسی خاص قانون کا پابند اگر تناسخ کو مانا جائے تو اس سے بہت سے معاملات سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ جس کا جواب عقلاً و نقلاً اس وقت تک بھی کسی سے نہ بن پڑا۔ جبر و قدر کا مضمون خود بخود حل ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی قسمت کے لحاظ سے نرا دن گلہ شکوہ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ سے بدگمان ہو جاتے ہیں اپنی قسمت پر قانع ہو جائینگے۔ نہ صرف قناعت بلکہ جب انتظام عالم کو سمجھ جائینگے اپنی اصلاح کے آپ درپے ہونگے۔

موجودہ حالت میں خدا کی حیثیت ایک جابر خالق کی ہے جیسا چاہتا ہے مخلوق کو بناتا ہے اور پھر اس کو مستحق سزا و جزا ٹھہراتا ہے۔ اس سے خدا کی عظمت قائم ہو جائے گی۔

تناسخ کو ماننے سے کلام اللہ کے معنی بلا تاویل کے پوری اترتی ہے اور مطلب صاف ہو جاتا ہے۔

موت اور پیدائش کا تناسب خود تناسخ کا ثبوت ہے

کلام اللہ کی یہ آیت۔

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جس نے اتارا آسمان سے پانی ماپ کر پھر اٹھا اس سے ہم نے ایک دیس مردہ اسی طرح تم کو نکالیں گے۔

یفقہ پر کا لفظ ایک جز دیر اثر ڈالے اور دوسرے پر اس کا اثر نہ ہو تا صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ پس لفظ یفقہ پر سے بھی تناسخ کا پتہ چلتا ہے۔

کلام اللہ میں جنتیوں اور دوزخیوں کے نسبت خالدین فیہا ابدا کا جو استعمال ہوا ہے اس کے نسبت علمائے اہل تسنن کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی ہمیشگی کے نہیں ہیں بلکہ ایک عرصہ کی ہے چنانچہ نظام نیشاپوری نے اپنی کتاب میں اس پر جابجا بحث کی ہے اور نیز احقاب جو جمع لفظ حقب کی ہے اس کے معنی بھی ایک مدت کے ہوئے جس کا تخمینہ ۸۰ برس کا ہوتا ہے جو عمر انسانی خیال کی جاتی ہے۔

ہم نے موجودہ خیالات کے مطابق تناسخ کی تعریف اور اس کے فوائد بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اس امر پر غور کیا جا سکتا ہے کہ کس کے ماننے میں فائدہ ہے۔

خاتمہ پر اگر لاک[1] کا یہ قول بیان کروں تو نامناسب نہ ہوگا۔

فلاسفر مذکور کہتا ہے فرض کیا جائے کہ ایک شخص اپنی روح کو بکر کی روح ہونیکا خیال کیا۔ بس کیا وہ شخص اس بکر کے کاروبار کو اپنے کاروبار سمجھیگا جو کسی زمانہ میں موجود تھا؟ نہیں۔ اور یہ واجبی بات ہے کہ جو شخص کچھ جانتا ہی نہ ہو وہ اس بات کا ذمہ دار گردانا جائے مگر اس کو جب بکر کے کاروبار کا پتہ چل جائیگا۔ اس وقت وہ اپنے تئیں بکر سمجھے گا۔ اس شخصی تعین سے اس کو سزا و جزا ملنا حق بجانب ہے اور جو سزا اس کو دی جائے وہ اس کو قبول کریگا۔ اس کی واقفیت اس کو ملزم گردانے یا بریت دیگی۔

اب فرض کیا جائے دوسرا ایک شخص ہے جس کو اس کی گذشتہ زندگی کے اعمال کی بنیاد پر اب سزا دی گئی۔ جس سے وہ کچھ بھی واقف نہیں۔ اب خدا نے اس کے اعمال کی مناسبت سے اس کو مفلوک الحال بنایا۔ پس فلاسفر مذکور سوال کرتا ہے کہ سزا کے اعتبار سے ان ہر دو سزاؤں میں کیا فرق ہے۔

وما علینا الا البلاغ

[illegible]

[1] انگریز

فہرست